حضرت آدم علیہ السلام





حضرت آدم علیہ السلام

اسلم راہی۔ایم اے

تاریخ کے اوراق سے مشہور و معروف رہتی دنیا تک قائم رہنے والا ناقابل فراموش مضبوط دل کا انمٹ واقعہ جسے پڑھ کر ایک عام انسان کے جسم و جاں پر سکتہ طاری ہوجاتا ہے کہ موت سامنے کھڑی ہو اور اس کی آنکھ میں دیدہ دلیری سے دیکھنا کہ موت بھی تھرا اٹھے۔ ایسے واقعات یہ سبق دیتے ہیں کہ اللہ کی خوشی میں خوش رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ زندگی اور مرنے کے بعد بھی ہر دلعزیز بنادیتا ہے۔

ایسا واقعہ جس سے ثابت ہوتا ہے اللہ والے اللہ کی خوشی کیلئے اپنی جان نچھاور کر دیتے ہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کے عالم وجود میں آنے کا مسئلہ آج علمی نقطہ نگاہ سے بحث کا ایک نیا دروازہ کھولے ہوئے ہے اس لئے کہ ارتقاء پرستوں کا یہ دعویٰ ہے کہ موجودہ انسان اپنی ابتدائی تخلیق اور تکوین سے ہی پیدا نہیں ہوا بلکہ کائنات ہست و بود میں اس نے بہت سے مدارج طے کر کے موجودہ انسان کی شکل حاصل کی ہے اس لئے ابتدائی حیات نے جمادات اور نباتات کی مختلف شکلیں اختیار کر کے ہزاروں لاکھوں برسوں بعد درجہ بدرجہ ترقی کرتے کرتے موجودہ شکل پائی ہے ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ شروع میں انسان لبوبہ یعنی پانی کی جونک تھا پھر طویل مدت کے بعد حیوانات کے مختلف چھوٹے بڑے طبقات سے گزر کر موجودہ انسان کی شکل میں وجود پذیر ہوا۔

اور مذہب یہ کہتا ہے کہ خالق کائنات نے انسان اول کو آدم کی شکل میں پیدا کیا اور پھر اس کی طرح ایک ہم جنس مخلوق حوا کو وجود دے کر کائنات ارض پر نسل انسانی کا سلسلہ قائم کیا اور یہی وہ انسان ہے جس کو خالق کائنات نے عام مخلوق پر برتری اور بزرگی عطا فرمائی اور امانتِ الٰہی کا بارگراں اس کے سپرد کیا اور کل کائنات کو اس کے ہاتھ مسخر کر کے خلافت اور نیابت الٰہی کا شرف اس ہی کو بخشا اسی بناء پر خدائے واحد نے فرمایا۔

”بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین انداز میں بنایا۔“ اور ساتھ ہی یہ بھی انکشاف کیا۔

”بلاشبہ ہم نے نسل آدم کو تمام کائنات پر بزرگی اور برتری بخشی۔“

اور اس کے بعد فرشتوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ”میں زمین پر آدم کو اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔“ اور ارتقاء پرستوں کے دعووں کو رد کرتے ہوئے مذہب کہتا ہے ہم نے بارامانت آسمان اور زمین پر پیش کیا تو انہوں نے امانتِ الٰہی کے بار کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس بارگراں کو اٹھالیا۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ نظریہ ارتقاء اور مذہب کے درمیان اس خاص مسئلہ پر علمی تضاد ہے یا دونوں کے ملنے کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے خصوصاً جبکہ علم اور تجربہ نے یہ حقیقت واشگاف کر دی ہے کہ دینی اور مذہبی حقائق اور علم کے درمیان کسی بھی موقف پر تضاد نہیں ہے اگر ظاہری سطح پر کہیں ایسا نظر بھی آتا ہے تو وہ علم کے بعض حقائق مستور ہونے کی وجہ سے نظر آتا ہے کیونکہ بارہا یہ دیکھا گیا ہے کہ جب بھی علم کے مستور حقائق سے پردہ اٹھا تو اس وقت تضاد جاتا رہا اور وہی حقیقت سامنے آگئی جس کا اظہار وحی الٰہی کے ذریعے ہو چکا تھا۔

دوسرے الفاظ میں اس بات کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ علم اور مذہب کے درمیان اگر کسی وقت تضاد نظر آیا تو نتیجہ میں علم کو اپنی جگہ چھوڑنی پڑی اور وحی الٰہی کا فیصلہ اپنی جگہ اٹل رہا اسی بناء پر اس جگہ بھی قدرتی طور پر یہی بات سامنے آتی ہے کہ مادہ پرستوں کا یہ کہنا کہ انسان ارتقاء کے مراحل طے کرتے ہوئے موجودہ شکل تک پہنچا ہے اب یہ نظریہ خود بخود ختم ہوتا جارہا ہے سائنس ہی نہیں دوسرے علوم بھی آہستہ آہستہ اس بات کی نفی کی طرف جارہے ہیں اور اس بات کو تسلیم کرتے جارہے ہیں کہ جو بات مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن نے کہی ہے وہی درست اور سچی ہے۔

اگر ہم اس بات پر غور کریں کہ انسانی کردار اور اس کے علمی اور اخلاقی عوامل اور محرکات کے پیش نظر اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ اس کی تخلیق اور تقویم اور عالم وجود میں آنے کی تفصیل کیا ہیں بلکہ اہمیت کا موقف یہ ہے کہ اس عالم میں اس کا وجود یونہی بے معنی اور بے مقصد وجود میں آیا ہے یا اس کی ہستی اپنے اندر عظیم مقصد لے کر وقوع پذیر ہوئی ہے؟ کیا اس کے افعال، اقوال اور کردار اور گفتار کے اثرات لامعنی ہیں؟ کیا اس کی مادی اور روحانی قدریں سب کی سب مہمل اور بے نتیجہ ہیں یا بے شمار ثمرات کی حامل اور پر از حکمت ہیں اور کیا اس کی زندگی اپنے اندر کوئی روشن اور تابناک حقیقت رکھتی ہے یا تیرہ و تاریک مستقبل کا پتا دیتی ہے اور اس کا ماضی اور حال اپنے مستقبل سے بے بہرہ ہے پس ان حقائق کا جواب نفی میں نہیں بلکہ اثبات میں ہے تو قدرتی طور پر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اس کی کیفیت پیدائش پر بحث کے بجائے اس کے وجود کے مقصد پر پوری نگاہ رکھی جائے اور یہ تسلیم کیا جائے کہ اس اشرف المخلوقات ہستی کا وجود بلاشبہ مقصد عظیم کا پتا دیتا ہے اس لیے اس کی اخلاقی قدروں کا ضرور کوئی مثل اعلیٰ اور اس کی تخلیق کی کوئی غایت ہے۔

اسی بناء پر مقدس کتاب قرآن نے حضرت انسان سے متعلق مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کو واضح کر کے انسانی عظمت کا اعلان کیا اور بتلایا کہ خالق کائنات کی قدرت تخلیق اور تکوین میں انسان کی تخلیق احسن تقویم کا درجہ رکھتی ہے اسی وجہ سے وہ تمام کائنات کے مقابلے میں تکریم اور تعظیم کا مستحق ہے اور اپنے حسن تقویم اور لائق تکریم ہونے کی بناء پر بلاشبہ امانت الٰہی کا علم بردار ہو کر خلیفۃ اللہ کے منصب پر فائز ہونے کا حق

رکھتا ہے اور جب یہ سب کچھ اس میں ودیعت ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی ہستی کو جانوروں کی صورت میں پیدا کر کے اور اسے ارتقاء کے مختلف مراحل سے گزار کر اس کو موجودہ شکل دی جاتی پس عقل و شعور اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ انسان مادے کی مختلف صورتوں سے ہوتا ہوا اور ارتقائی منازل طے کرتا ہوا موجودہ صورت تک پہنچا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا نے انسان کو احسن تقویم کی بنیاد پر پیدا کیا ہے اور اس نے کوئی ارتقائی منازل طے نہیں کی۔

پہلا انسان جو پیدا کیا وہ ابو البشر حضرت آدم تھے قرآن مقدس میں آپ کا ذکر پچیس بار لیا گیا خدا نے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور اسکا خمیر تیار ہونے سے قبل ہی اس نے فرشتوں کو یہ اطلاع دے دی تھی کہ "وہ عنقریب مٹی سے ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہے جو بشر کہلائے گی اور زمین پر ہماری خلافت کا شرف حاصل کرے گی۔"

پس آدم کا خمیر مٹی سے گوندھا گیا ایسی مٹی سے گوندھا گیا جو نت نئی تبدیلی قبول کر لینے والی تھی جب یہ مٹی پختہ ٹھیکری کی طرح آواز دینے اور کھنکھنانے لگی تو اللہ نے اس جسد خاکی میں روح پھونکی اور وہ یک بیک گوشت پوست ہڈی پٹھے کا زندہ انسان بن گیا اور وہ شعور حس اور عقل وجدانی جذبات اور کیفیات کا حامل نظر آنے لگا تب فرشتوں کو حکم ہوا تم اس کے سامنے سر بسجود ہو جاؤ اور فوراً تمام فرشتوں نے تعمیل کی البتہ ابلیس نے غرور تمکنت کے ساتھ صاف انکار کر دیا۔

خدا اگرچہ عالم غیب اور دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے ماضی حال اور مستقبل کے سب اس کے لئے یکساں ہیں مگر اس نے امتحان اور آزمائش کے لئے ابلیس یعنی شیطان سے سوال کیا۔

"کس بات نے تجھے جھکنے سے روکا جبکہ میں نے حکم دیا تھا"

اس پر ابلیس کہنے لگا۔

"اس بات نے کہ میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے"

شیطان کا مقصد یہ تھا کہ "میں آدم سے افضل ہوں اس لئے کہ تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور آگ بلندی اور رفعت کی طرف جاتی ہے آدم اپنی تخلیق میں ایک خاکی ہے بھلا خاک کو آگ سے کیا نسبت اے خدا پھر تیرا یہ حکم کہ ناری خاکی کو سجدہ کرے کیا انصاف پر مبنی ہے میں ہر حالت میں آدم سے بہتر ہوں لہٰذا وہ مجھے سجدہ کرے نہ کہ میں اس کے سامنے سر بسجود ہوں" مگر بد بخت شیطان اپنے غرور اور تکبر میں یہ بھول گیا کہ جب تو اور آدم دونوں خدا کی مخلوق ہو تو مخلوق کی حقیقت خالق سے بہتر خود وہ مخلوق بھی نہیں جان سکتی وہ اپنی تمکنت اور گھمنڈ میں یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ مرتبہ کی بلندی اور پستی اس مادہ کی بناء پر نہیں ہے جس سے کسی مخلوق کا خمیر تیار کیا گیا ہے بلکہ اس کی ان صفات پر ہے جو خالق کائنات نے اس کی اندر ودیعت کی ہیں۔

بہر حال شیطان کا جواب چونکہ غرور اور تکبر کی جہالت پر مبنی تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس پر واضح کر دیا کہ جہالت سے پیدا شدہ کبر اور نخوت نے تجھ کو اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ تو اپنے خالق کے حقوق احترام خالقیت سے بھی منکر ہو گیا ہے اس لئے مجھ کو ظالم قرار دیا اور یہ نہ سمجھا کہ تیری جہالت تجھ کو حقیقت کے سمجھنے سے درماندہ اور عاجز بنا دیا ہے پس تو اب اس سرکشی کی وجہ سے ابدی ہلاکت کا مستحق ہے اور یہی تیرے عمل کی قدرتی پاداش ہے۔

کچھ صاحبان علم ابلیس کے سجدے سے انکار کی اور وجوہات بھی بیان کرتے ہیں مثلاً عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو بھیجا جس نے ادیم زمین کے ہر جزو اور شیریں و شور سے مٹی لی یعنی زمین کی سطح سے ہر قسم کی مٹی لی اللہ تعالیٰ نے اس مٹی سے حضرت آدم کو پیدا کیا اسی باعث ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اس لئے کہ وہ اس مٹی کو خود لایا تھا اور کہا میں اس کو سجدہ کیوں کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا کیونکہ یہ مٹی ابلیس ہی تو لایا تھا اس کے علاوہ آدم کا نام آدم اسی لئے پڑا کہ وہ مٹی جو ابلیس لایا تھا وہ ادیم زمین سے تھی یعنی زمین کی سطح سے تھی۔

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم کی صورت گری کی اور جب تک چاہا اس کا جسد پڑا رہنے دیا ابلیس اس قالب یعنی اس جسم کے گرد پھرا کرتا تھا جب اس نے دیکھا کہ اس کے اندر تو جوف یعنی پیٹ ہے تو اس نے جانا کہ یہ مخلوق مستقیم نہ رہے گی وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جیسا چاہا اور جس سے چاہا بنی آدم کو پیدا کیا اس کی تخلیق کے مطابق بنی آدم کی تکمیل ہوئی وہ کتنا اچھا بابرکت بہترین خالق ہے اس نے مٹی اور پانی سے آدم کو بنایا اسی سے گوشت خون بال ہڈیاں جسم سب کچھ بنا یہی فرزند آدم کی ابتداء آفرینش ہے جس سے وہ پیدا ہوا بعد میں اس میں سانس پھونکی جس کی بدولت وہ اٹھتا ہے، بیٹھتا ہے، سنتا ہے، دیکھتا ہے، چار پائے جو کچھ جانتے ہیں اور جس سے بچتے ہیں وہ سب کچھ جانتا ہے اور ان سب سے بچتا ہے پھر اس میں جان ڈالی کہ اسی کے باعث حق و باطل ہدایت اور گمراہی میں امتیاز کر سکا اسی کے طفیل بچتا ہے آگے بڑھتا ہے، ترقی کرتا ہے، چھپتا ہے، سیکھتا ہے، تعلیم حاصل کرتا ہے اور جتنے امور ہیں سب کی تدبیر اور تنظیم میں منہمک رہتا ہے۔

ابوموسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم کو ایک مشت خاک سے پیدا کیا جو تمام روئے زمین سے لی تھی یہی باعث ہے کہ فرزندان آدم میں اسی خاک کا اندازہ قائم رہا ان میں سرخ بھی ہیں سفید بھی سیاہ بھی اور درمیانی رنگت کے بھی ہیں۔

بہر حال آدم کی تخلیق کے بعد جب ابلیس نے حکم خداوندی کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تب ابلیس نے دیکھا کہ خالق کائنات کے حکم کی خلاف ورزی، تکبر اور رعونت اور خدائے تعالیٰ پر ظلم کے الزام نے ہمیشہ کے لئے مجھ کو خدا کی آغوش رحمت سے مردود اور جنت سے محروم کر دیا ہے تو توبہ اور ندامت کی جگہ اللہ تعالیٰ سے یہ استدعا کی کہ تا قیامت مجھے کو مہلت عطا کر اور اس طویل مدت کے لئے میری زندگی کی رسی کو دراز کر دے۔

حکمت الٰہی کا تقاضا بھی یہی تھا لہٰذا اس کی درخواست منظور کر لی گئی یہ سن کر اس نے اب پھر ایک مرتبہ اپنی شیطانیت کا مظاہرہ کیا اس نے یہ فیصلہ کیا کہ جب خدا نے مجھ کو راندۂ درگاہ کر ہی دیا ہے تو اس آدم کی بدولت مجھے یہ رسوائی نصیب ہوئی میں بھی آدم کی اولاد کی راہ ماروں گا اور ان کے پس و پیش، ارد گرد اور چہار جانب ہو کر ان کو گمراہ کروں گا اور ان کی اکثریت کو ناشکرا بنا کر چھوڑوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ہم کو اس کی کیا پرواہ ہماری فطرت کا قانون مکافات عمل و پاداش امن اٹل قانون ہے پس جو جیسا کرے گا ویسے بھرے گا اور جو بنی آدم مجھ سے روگردانی کر کے تیری پیروی کرے گا وہ تیرے ہی ساتھ عذاب الٰہی یعنی جہنم کا سزاوار ہوگا جا اپنی ذلت و رسوائی اور شومئی قسمت کے ساتھ یہاں سے دور ہو اپنا اور اپنے پیروؤں کی ابدی لعنت کا منتظر رہ"۔

مفسرین مزید لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں کو اطلاع دی کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں جو اختیار اور ارادہ کا مالک ہوگا اور میری زمین پر جس قسم کا تصرف کرنا چاہے گا کر سکے گا اور اپنی ضروریات کے لیے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکے گا گویا وہ میری قدرت اور میرے لیے تصرف کے اختیار کا مظہر ہوگا۔

فرشتوں نے یہ سنا تو حیرت میں رہ گئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ "اگر ہستی کی پیدائش کی حکمت یہ ہے کہ وہ دن رات تیری تسبیح میں مصروف رہے اور تیری تقدیس اور بزرگی کے گن گائے تو اس کے لئے ہم حاضر ہیں جو لحہ تیری حمد و ثنا کرتے ہیں اور بے چوں چراں تیرا حکم بجالاتے ہیں ہم کو تو اس خاکی سے فتنہ اور فساد کی بو آتی ہے ایسا نہ ہو یہ تیری زمین میں خرابی اور خون ریزی پیدا کر دے بار الٰہی تیرا یہ فیصلہ آخر کس

حکمت پر مبنی ہے۔"

خدا کی طرف سے فرشتوں کو یہ ادب سکھایا گیا کہ مخلوق کو خالق کے معاملات میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے اور اس کی جانب سے حقیقت حال کے اظہار سے قبل شک وشبہ کو سامنے نہیں لانا چاہیے اور وہ بھی اس طرح کہ اس میں اپنی برتری اور بڑائی کا پہلو نکلتا ہو خالق کائنات ان حقائق کو جانتا ہے جس سے تم بے بہرہ ہو اور اس کے علم میں وہ سب کچھ ہے جو تم نہیں جانتے۔

صاحبان کمال مزید لکھتے ہیں کہ اس موقع پر یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ اس مقام پر فرشتوں کا سوال اس لیے تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مناظرہ یا اس کے فیصلے کے متعلق شکافی کریں بلکہ وہ آدم کی تخلیق کا سبب معلوم کرنا چاہتے تھے اور یہ کہ اس کے خلیفہ بنانے میں کیا حکمت ہے ان کی خواہش تھی کہ اس حکمت کا راز ان پر بھی کھل جائے اس لیے ان کے طرز عمل اور تعبیر مقصد میں کوتاہی پر تنبیہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ پسند فرمایا کہ ان کے سوال کا جواب جو بظاہر حضرت آدم کی تخلیق پر مبنی ہے عمل فعل کے ذریعے اس طرح دیا جائے کہ ان کو خود آدم کی برتری اور حکمت الٰہی کی بلندی اور رفعت کا نہ صرف اعتراف کرنا پڑے بلکہ اپنی درندگی اور عزت کا بھی مشاہدہ ہو جائے۔

لہٰذا آدم کو اپنی سب سے عظیم المرتبت صفت علم سے نوازا اور اس کو علم اشیاء عطا فرمایا اور پھر فرشتوں کے سامنے پیش کر کے ارشاد فرمایا تم ان اشیاء کے متعلق کیا علم رکھتے ہو۔

فرشتے اس علم سے کیونکہ بے بہرہ تھے لہٰذا کوئی جواب نہ دے سکے مگر کیونکہ خداوند قدوس سے قرب رکھتے تھے سمجھ گئے کہ ہمارا امتحان مقصود نہیں ہے کیونکہ اس سے قبل ہمیں ان کا علم ہی کب دیا گیا ہے کہ آزمائش کی جاتی بلکہ یہ تنبیہ مقصود ہے کہ خلافت الٰہیہ کا مدار کثرت تسبیح اور تقدیس اور تحمید پر نہیں بلکہ علم پر ہے اس لئے کہ ارادہ اور اختیار، قدرت تصرف اور قدرت اختیار یا دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ حکومت ارضی صفت علم کے بغیر ناممکن ہے جبکہ آدم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم کا مظہر اتم بنایا ہے تو بلاشبہ وہی خلافت ارضی کا مستحق ہے نا کہ تم اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ملائکہ چونکہ اپنی خدمت مفوضہ کے علاوہ ہر قسم کے علم سے بھی نا آشنا تھے اور حضرت آدم کو کیونکہ ان سب سے واسطہ پڑنا تھا اس لیے کہ ان کا علم اس کے لئے ایک فطری امر تھا جو خدا کی ربوبیت کاملہ کی بخشش اور عطا ہوا اور اس کو وہ سب کچھ بتا دیا جو اس کے لئے ضروری تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے اس شرف علم کے متعلق علماء کی دو رائے ہیں ایک یہ کہ کائنات وہ تمام اشیاء جو ماضی سے مستقبل میں وجود میں آنے والی تھیں ان سب کے نام اور ان کی حقیقت کا علم حضرت آدم کو دے دیا گیا تھا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس وقت جس قدر اشیاء عالم کائنات میں موجود تھیں حضرت آدم کے سامنے ان کا مظاہرہ کیا گیا ان سب کا علم عطا کیا گیا اور تمام چیزوں کے نام کا اطلاق جس طرح کائنات کی ماضی اور مستقبل کی تمام اشیاء پر ہوتا ہے اس طرح اس وقت کی تمام موجودہ اشیاء پر بھی بغیر کسی تحویل کے ہو سکتا ہے۔

بہرحال حضرت آدم کو صفت علم سے اس طرح نوازا گیا کہ جو فرشتوں کے لئے بھی ان کی برتری اور استحقاق خلافت کے اقرار کے علاوہ چارہ کار نہ رہا اور یہ ماننا پڑا کہ اگر ہم زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنائے جاتے تو کائنات کے تمام بھیدوں سے نا آشنا رہتے اور قدرت نے جو خواص اور علوم ودیعت کیے ہیں ان سے یکسر ناواقف ہوتے اس لیے کہ نہ ہم خواہشوں کے محتاج ہیں نہ زمین میں ودیعت شدہ رزق اور خزانوں کی جستجو کرتے، نہ ہمیں غرق کا اندیشہ کہ کشتیوں اور جہازوں کو ایجاد کرتے، نہ مرض کا خوف، قسم قسم کی معالجات اشیاء کے خواص کیمیائی مرکب خواص طبیعات فلکیات طبعی ایجاد علوم نفسیات اور معدنیات اور اس طرح کے بے شمار علوم وفنون کے اسرار اور ان کی حکمتوں سے واقف ہوسکتے بلاشبہ یہ حضرت انسان ہی کے لئے موزوں تھا کہ وہ زمین پر خدا کا خلیفہ بنے اور ان تمام حقائق اور معارف علوم اور فنون سے واقف ہو کر نیابت الٰہی کا حق ادا کرے۔

☆......☆......☆

حضرت آدم کی پیدائش کے سلسلے میں اعتراض کرنے والے تین طرح کے اعتراض کھڑے کرتے ہیں پہلا یہ کہ خدا تو دلوں کے بھید جانتا ہے اور آدم کی تخلیق کے سلسلے میں فرشتوں سے مشورہ کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کا فرشتوں کی مجلس میں واقع کا اظہار آخر کس حیثیت سے تھا آخر ان سے مشورہ لینا مقصود تھا یا محض ان کو اطلاع دینا پیش نظر تھا یا فرشتوں کی زبان سے ان کی رائے کا اظہار کرانا اس کا منشا تھا۔

سو یہ بات ظاہر ہے کہ مشورے کی ضرورت تو وہاں پیش آتی ہے جہاں مسئلہ کے سب پہلو کسی پر روشن نہ ہوں اور اپنے علم اور بصیرت پر مکمل اطمینان نہ ہو اس لیے دوسرے عقلاء یا دانش مندوں سے مشورہ کیا جاتا ہے ایسی صورت میں جہاں حقوق دوسروں کے مساوی ہوں تو ان کی رائے لینے کے لئے مشورہ ہوتا ہے جیسے دنیا کی عام کونسلوں سے رائج ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہاں دونوں صورتیں نہیں ہو سکتیں اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں ظاہر اور باطن ہر چیز ان کے علم وبصر کے سامنے برابر ہے خدا کو کیا ضرورت کہ کسی سے مشورہ لے۔

اسی طرح یہاں بھی یہ نہیں کہ کوئی پارلیمانی حکومت ہے جس میں تمام ارکان کے مساوی حقوق ہیں اور ان سب سے مشورہ لینا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سب کے خالق اور مالک ہیں فرشتے ہو یا جن وانس سب ان کی مخلوق اور مملوک ہیں کسی کو حق نہیں کہ ان کے کسی فعل کے متعلق سوال بھی کر سکے کہ آپ نے یہ کیوں کیا اور کیا کیا۔

بات یہی ہے کہ درحقیقت یہاں مشورہ لینا مقصود نہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے مگر صورت مشورہ کی بنائی گئی جس میں مخلوق کو سنت مشورہ کی تعلیم کا فائدہ ہو سکتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ لینے کی ہدایت فرمائی حالانکہ آپ تو صاحب وحی تھے تمام معاملات اور ان کے تمام پہلو آپ کو بذریعہ وحی بتائے جا سکتے تھے مگر آپ کے ذریعے مشورہ کی سنت جاری کرنے اور امت کو سکھانے کے لئے آپ کو بھی مشورے کی تاکید فرمائی گئی تھی۔

غرض فرشتوں کی مجلس میں اس واقعہ کے اظہار سے ایک فائدہ تو تعلیم مشورہ حاصل ہوتا ہے دوسرا فائدہ خود الفاظ قرآنی کے اشارے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے فرشتے یہ سمجھتے تھے کہ ہم سے زیادہ افضل اور اعلیٰ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ پیدا نہیں کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت میں اس کی تصریح بھی ہے کہ خلقت آدم سے پہلے فرشتے آپس میں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کوئی مخلوق ہم سے افضل پیدا نہیں فرمائیں گے چنانچہ خدا کے علم میں تھا کہ کوئی ایسی مخلوق بھی پیدا کرنا ہے جو تمام مخلوقات سے زیادہ افضل اور اعلیٰ ہوگی اور جس کو اپنی خلافت اور نیابت کا خلعت عطا کیا جائے گا۔

اس لیے فرشتوں کی مجلس میں آدم کو پیدا کرنے اور زمین میں نائب بنانے کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے خیال کا اظہار کریں۔

چنانچہ فرشتوں نے اپنے علم اور بصیرت کے مطابق نیازمندی کے ساتھ رائے کا اظہار کیا جس مخلوق کو آپ خلیفہ مخلوق بنانے جا رہے ہیں اس میں تو شر وفساد کا مادہ بھی ہے وہ دوسروں کی اصلاح اور زمین میں امن وامان کا انتظام کیسے کر سکتا ہے جبکہ وہ خود خون ریزی کا بھی مرتکب ہوگا اس کے بجائے آپ کے فرشتوں میں شر وفساد کا کوئی مادہ نہیں، خطاؤں سے معصوم ہیں ہر وقت آپ کی تسبیح اور تقدیس، عبادت اور اطاعت میں لگے ہوتے ہیں وہ بظاہر اس خدمت کو اچھی

طرح انجام دے سکتے ہیں۔

غرض اس سے معاذ اللہ خدا کے فعل پر اعتراض کرنا نہیں تھا کیونکہ فرشتے ایسے خیالات اور حالات سے معصوم ہیں بلکہ مقصد دریافت کرنا تھا کہ ایک ایسی معصوم جماعت کے ہوتے ہوئے دوسری غیر معصوم مخلوق پیدا کر کے یہ کام اس کے حوالے کرنا اور اس کو ترجیح دینا کس حکمت پر مبنی ہے۔

چنانچہ اس کے جواب میں پہلے تو خدا نے اجمالی طور پر فرمایا کہ ”میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی تم خلافت الٰہیہ کی حقیقت اور اس کے لوازم سے واقف نہیں اس لیے یہ سمجھ رہے ہو کہ معصوم مخلوق ہی اس کو انجام دے سکتی ہے اس کی پوری حقیقت کو ہم ہی جانتے ہیں“

اس کے بعد فرشتوں کو اس کا کچھ تفصیلی علم کرانے کے لئے ایک خاص واقع کا اظہار کیا گیا کہ تمام کائنات عالم کے نام اور ان کے خواص و آثار جن کے علم کی صلاحیت صرف آدم میں ہی ودیعت کی گئی ہے فرشتوں کی جبلت اور فطرت اس کی مناسب نہ تھی وہ سب آدم کو سکھائے اور بتلائے گئے تھے مثلاً دنیا کی نافع اور مضر چیزیں اور ان کے خواص اور اثرات ہر جاندار اور ہر قوم کے مزاج تباہی اور ان کے آثار ان چیزوں کے معلوم کرنے کے لئے طبیعت ملائکہ متحمل نہیں فرشتہ کیا جانے کہ بھوک کیا ہوتی ہے، پیاس کی تکلیف کیسی ہوتی ہے، انسانی جذبات کا کیا اثر ہوتا ہے، کسی چیز سے نشہ کس طرح پیدا ہوتا ہے، سانپ اور بچھو کا زہر کس جسم پر کیا اثر کرتا ہے۔

غرض زمینی مخلوقات کے نام اور خواص و آثار کی دریافت فرشتوں کے مزاج اور مخصوص طبیعت سے بالکل علیحدہ چیز تھی یہ علم صرف آدم ہی کو سکھلایا جا سکتا تھا اور انہیں ہی کو سکھلایا گیا۔

آدم کو یہ تعلیم تنہائی میں فرشتوں سے علیحدہ دی گئی اس لیے ہو سکتا ہے تعلیم سب کے لئے عام ہی ہو لیکن اس تعلیم سے فائدہ اٹھانا آدم کی طبیعت میں تھا وہ سیکھ گئے فرشتوں کی طبیعت میں نہ تھا وہ نہ سیکھ سکے اس لیے یہاں تعلیم کو آدم کی طرف منسوب کیا گیا اگرچہ یہ تعلیم فی نفسہ عام تھی آدم اور ملائکہ دونوں کو شامل تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے ظاہری تعلیم کی صورت ہی عمل نہ آئی ہو بلکہ آدم کی فطرت میں ان چیزوں کا علم ابتدائے آفرینش سے ودیعت کر دیا گیا ہو جیسے بچہ ابتدائے ولادت سے ماں کا دودھ پینا جانتا ہے، بطخ کا بچہ تیرنا جانتا ہے اس میں کسی ظاہری تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اب یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ خدا میں تو سب کچھ ہے وہ فرشتوں کا مزاج اور طبیعت بدل کر ان کو بھی سکھا سکتے تھے پھر ان کو کیوں نہ سکھایا گیا مگر اس کا یہ حاصل تو یہ ہوا کہ فرشتوں کو ہی انسان کیوں نہ بنا دیا گیا کیونکہ اگر فرشتوں کی جبلت اور فطرت کو بدلا جاتا تو پھر وہ فرشتے نہ رہتے بلکہ انسان ہو جاتے مختصر یہ کہ زمینی مخلوقات کے اسماء اور ان کے خواص کا آدم کو علم دیا گیا جو فرشتوں کے بس کا نہیں تھا اور پھر ان مخلوقات کو سامنے کر کے سوال کیا گیا اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ ہم سے زیادہ کوئی مخلوق اعلیٰ و افضل پیدا نہیں ہوگی یعنی یہ کہ زمین کی خلافت اور نیابت کے لئے فرشتے بہ نسبت انسان کے زیادہ موزوں ہیں تو ان چیزوں کے نام اور خواص بتاؤ جن پر زمین کے خلیفہ کو حکومت کرنا ہے۔

اس ساری گفتگو سے یہ فائدہ حاصل ہو گیا کہ حاکم کے لئے ضروری ہے کہ اپنی محکوم رعایا کے مزاج اور ان کے خواص اور آثار سے پوری طرح واقف ہو اس کے بغیر وہ ان پر عدل انصاف کے ساتھ حکومت نہیں کر سکتا جو شخص یہ نہیں جانتا کہ بھوک کیسی اور کتنی تکلیف دہ ہوتی ہے اگر اس کی عدالت میں کوئی دعویٰ کسی کو بھوکا رکھنے کے متعلق پیش ہو تو وہ اس کا فیصلہ کیا اور کس طرح کرے گا۔

غرض اسی واقعہ سے خدا نے فرشتوں کو یہ بتلا دیا کہ زمین کی نیابت کے لئے معصوم ہونے کو دیکھنا نہیں بلکہ اس کو دیکھنا ہے کہ وہ زمین کی چیزوں سے پورا واقف ہو ان کے استعمال کے طریقوں اور ان کے ثمرات کو جانتا ہو اگر تمہارا یہ خیال صحیح ہے کہ فرشتے اس خدمت کے لئے زیادہ موزوں ہیں تو ان چیزوں کے نام اور خواص بتاؤ۔

فرشتوں کا اظہار رائے کیونکہ کسی اعتراض یا فخر و غرور یا اپنا استحقاق جتانے کا نہیں تھا بلکہ محض اپنے خیالات کا اظہار ایک نیاز مند خادم کی طرح آپ کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس لیے فوراً بول اٹھے۔

”اے اللہ تو پاک ہے ہم کو علم نہیں مگر وہی جو تو نے ہم کو عطا فرمایا ہے بے شک آپ تو بڑے علم و حکمت والا ہے۔“

یہاں دوسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ فرشتوں کو یہ کیسے خبر ہو گئی کہ انسان خون ریزی کرے گا انہیں علم غیب تھا یا محض اٹکل سے انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا۔

اس کا جواب اکثر محققین کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو انسان کے حالات اور اس کے ہونے والے معاملات بتا دیئے تھے جیسا کہ بعض آثار میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آدم کے خلیفہ زمین بنانے کا ذکر فرمایا تو فرشتوں نے اللہ ہی سے اس خلیفہ کا حال دریافت کیا اور خدا نے ان کو بتا دیا اس سے فرشتوں کو تعجب ہوا کہ جب انسان کا یہ حال ہے کہ وہ فساد اور خون ریزی بھی کرے گا تو اس کو زمین کی نیابت کے لئے منتخب فرمانا کس حکمت پر مبنی ہے۔

اس کا ایک جواب خدا کی طرف سے آدم کے علمی حقوق اظہار فرما کر دے دیا اور فساد اور خونریزی کا جو شبہ اس کے استحقاق کا نیابت پر کیا گیا تھا اس کا جواب دیا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے گویا خدا نے یہ اشارہ دیا کہ جس چیز کو تم خلافت اور نیابت کے منافی سمجھ رہے ہو در حقیقت وہی اس کی اہلیت کا بڑا سبب ہے کیونکہ نیابت زمین کی ضرورت ہے رفع فساد کے لئے ہے جہاں فساد نہ ہو وہاں خلیفہ اور نائب بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں یہ بتا دیا گیا کہ منشا الٰہی یہ ہے کہ جس طرح اس نے ایک ایسی مقدس معصوم مخلوق فرشتے پیدا کر دیئے ہیں جس سے کسی گناہ و فساد کا امکان ہی نہیں ہو سکتا اور جس طرح اس نے شیاطین پیدا کر دیئے جن میں نیکی اور بھلائی کی صلاحیت نہیں اسی طرح ایک ایسی مخلوق پیدا کرنا منشائے خداوندی ہے جس میں خیر و شر نیکی اور بدی کا مخلوط مجموعہ ہو اور جس میں خیر و شر کے دونوں جذبات ہوں جو جذبات شر کو مغلوب کر کے خیر کے میدان میں آگے بڑھیں اور رضائے خداوندی کا خلعت حاصل کریں۔

اس قصہ آدم اور تعلیم اسماء کے واقعات سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ زبان اور لغت کے اصل واضع خود حق سبحانہ تعالیٰ ہیں پھر اس نے مخلوق کے استعمالات سے مختلف صورتیں اور مختلف زبانیں پیدا ہو گئیں۔

اس واقعہ سے ایک اور بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جب فرشتوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ جب فرشتے نہ بتا سکے تو خدا نے آدم علیہ السلام کو ان اشیاء کا نام بتانے کا جو حکم دیا تو حکم اس طرح دیا گیا کہ ان فرشتوں کو وہ نام بتاؤ یعنی آدم کو حکم ہوا کہ فرشتوں کو یہ اسماء بتائیں چنانچہ اس طرز بیان سے محققین یہ بھی بات نکالتے ہیں کہ خدا نے اس طرح مخاطب کر کے گویا آدم کو معلم کا درجہ دے دیا اور فرشتوں کو طالب علم کا جس میں آدم کی فضیلت اور تکریم کی ایک اہم صورت کا اظہار کیا گیا ہے اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں کے علوم میں بھی کمی اور زیادتی ہو سکتی ہے کیونکہ جس چیز کا ان کو علم نہیں تھا آدم علیہ السلام کے ذریعے ان کو ان چیزوں کا اجمالی طور پر کسی نہ کسی درجہ میں علم دے دیا گیا تھا۔

زمین کا انتظام اور اس میں خدا کا قانون نافذ کرنے کے لئے اس کی طرف سے کسی نائب کا مقرر ہونا خلافت کہلاتا ہے خدا نے آدم ہی کو اس زمین کا خلیفہ مقرر کیا گو اقتدار اعلیٰ تمام کائنات اور پوری زمین پر اللہ تعالیٰ کا ہے لیکن انسان خدا کی طرف سے زمین پر اس کا نائب ہے جو باذن خداوندی زمین پر سیاست، حکومت اور بندگان خدا کی تعلیم و تربیت کا کام کرتے

اور احکام الٰہیہ کو نافذ کرتے ہیں اس خلیفہ اور نائب کا تقرر بلا واسطہ خود حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اس میں کسی کے کسب و علم کا کوئی دخل نہیں اس لیے پوری امت کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ نبوت کسی چیز نہیں جس کو کوئی سعی اور عمل سے حاصل کر سکے بلکہ حق تعالیٰ ہی خود اپنی حکمت اور عمل کے تقاضے سے خاص خاص افراد کو اس کام کے لئے چن لیتے ہیں جن کو اپنا نبی رسول یا خلیفہ اور نائب قرار دیتے ہیں۔

خلیفۃ اللہ بلا واسطہ حق تعالیٰ سے اس کے احکام معلوم کرتے اور پھر ان کو دنیا میں نافذ کرتے ہیں یہی نبی اور رسول کہلاتے ہیں یہ سلسلہ خلافت دنیا آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی انداز میں چلتا رہا یہاں تک کہ حضور اس زمین پر اللہ کے آخری خلیفہ ہو کر بہت ہی اہم خصوصیات کے ساتھ زمین پر تشریف لائے۔

ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ سے قبل انبیا خاص خاص قوموں اور ملکوں کی طرف مبعوث ہوتے تھے ان کا حلقہ حکومت اور اختیار انہیں قوموں اور ملکوں میں ہوتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک قوم کی طرف اور حضرت لوط علیہ السلام دوسری قوم کی طرف مبعوث تھے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور ان کے درمیان آنے والے انبیاء بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے عالم اور اس کی دونوں قوموں یعنی جنات اور انسانوں کی طرف بھیجا گیا آپ کا اختیار اور اقتدار پوری دنیا کی پوری قوموں پر حاوی فرمایا گیا۔

دوسری خصوصیت حضور کی یہ ہے کہ پچھلے انبیاء کی خلافت اور نیابت جس طرح خاص قوموں اور ملکوں میں موجود ہوتی تھی اسی طرح ایک خاص زمانے کے لئے مخصوص ہوتی تھی اس کے بعد دوسرا رسول آ جاتا تھا یوں پہلے رسول کی خلافت اور نیابت ختم ہو کر آنے والے کی نیابت قائم ہو جاتی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے خاتم انبیاء بنا دیا کہ آپ کی خلافت اور نیابت قیامت تک رہے گی اس کا زمانہ بھی کوئی مختص زمانہ نہیں بلکہ جب تک زمین اور آسمان قائم اور زمانہ کا وجود ہے وہ بھی قائم ہے۔

نبوت کے سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ پچھلے انبیاء کی تعلیم اور شریعت ایک زمانے تک محفوظ رہتی اور چلتی تھی رفتہ رفتہ ان میں تحریفات ہوتے ہوتے وہ کالعدم ہو جاتی تھیں اس وقت کوئی دوسرا رسول اور دوسری شریعت بھیجی جاتی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کا دین، آپ کی شریعت قیامت تک محفوظ رہے گی قرآن جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس کے الفاظ اور معانی سب چیزوں کی حفاظت اللہ نے خود اپنے ذمے لے رکھی ہے اب ایک سوال یہاں یہ اٹھتا ہے کہ کیا سجدہ کا حکم صرف فرشتوں کے لئے تھا یا جنات بھی اس میں شامل تھے اس لیے کہ انکار کرنے والا شیطان جنات میں سے تھا اور یہ بھی سوال اٹھتا ہے کہ سجدہ تو صرف خدا کی ذات کے لئے ہے کیا کسی انسان کو سجدہ کرنا جائز ہے۔

صاحبانِ کمال اس بات کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آدم کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا مگر آگے جب استثناء کر کے یہ بتا دیا گیا کہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا تو اس سے ثابت ہوا کہ سجدہ آدم کا حکم اس وقت کی تمام ذی عقول مخلوقات کے لئے تھا جس میں فرشتے، جنات سب شامل ہیں مگر حکم میں فرشتوں کے ذکر پر اس لئے اتفاق کیا گیا ہے کہ وہ سب سے افضل اور اشرف تھے جب آدم کی تعظیم کا حکم ان کو دیا گیا تو جنات کا بدرجہ اولیٰ اس حکم میں شامل ہونا بھی ہو جاتا ہے۔

اس میں فرشتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ آدم کو سجدہ کریں ایک اور موقع پر حضرت یوسف کے والدین اور بھائیوں کا مصر پہنچنے کے بعد حضرت یوسف کو سجدہ کرنا مذکور ہے۔

یوں تو ظاہر ہے کہ یہ سجدہ عبادت کے لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ غیر اللہ کی عبادت شرک اور کفر ہے جس میں احتمال ہی نہیں کہ کسی وقت، کسی شریعت میں جائز ہو سکے اس کے سواء کوئی احتمال نہیں کہ قدیم انبیاء کے زمانے میں سجدہ کا وہی درجہ ہوگا جو ہمارے زمانے میں سلام و مصافحہ اور معانقہ اور دست بوسی اور تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کا ہے۔

کچھ مورخین کا کہنا ہے کہ سابقین کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم اور تحیہ کے لئے سجدہ مباح تھا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں منسوخ ہو گیا اور بڑوں کی تعظیم کے لئے صرف سلام اور مصافحہ کی اجازت دی گئی۔

اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہو جاتی ہے کہ اصل کفر و شرک اور غیر اللہ کی عبادت اصول ایمان کے خلاف ہے وہ کبھی کسی شریعت میں جائز نہیں ہو سکتے لیکن افعال اور اعمال ایسے ہیں جو اپنی ذات میں شرک و کفر نہیں مگر لوگوں کی جہالت اور غفلت وہ افعال ذریعہ شرک و کفر ہو سکتے ہیں ایسے افعال کو انبیاء سابقین کی شریعتوں میں مطلق منع نہیں کیا گیا بلکہ ان کو ذریعہ شرک بنانے سے روکا گیا جیسا کہ جانوروں کی تصویریں بنانا، استعمال کرنا اپنی ذات کوئی شرک نہیں اس لئے کہ پچھلی شریعت میں جائز تھا حضرت سلیمانؑ کے قصہ میں مذکور ہے فرمایا گیا۔

"یعنی جنات ان کے بڑی محرابیں اور تصویریں بنایا کرتے تھے"

اس طرح تعظیمی پچھلی شریعتوں میں جائز تھا آخر لوگوں کی جہالت سے یہی چیزیں شرک اور بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں اور اسی راہ انبیاء کے دین اور شریعت میں وارد ہونا شروع ہو گئیں اور پھر دوسرے انبیاء اور ان کی شریعتوں نے آ کر اس کو مٹایا شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ دائمی اور ابدی شریعت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت اور رسالت ختم اور آپ کی شریعت آخری شریعت ہے اس لئے اس کو مسخ اور تحریف سے بچانے کے لئے ہر ایک ایسے سوراخ کو بند کر دیا گیا ہے جہاں سے شرک اور بت پرستی آ سکتی تھی اس سلسلے میں وہ تمام چیزیں اس شریعت میں حرام قرار دی گئیں جو پچھلے زمانے میں شرک اور بت پرستی کا سبب بنی تھیں۔

قرآن مقدس میں دو طرح کے سجدے کا ذکر کیا گیا ہے ایک فرشتوں کا حضرت آدم کو اور دوسرا اللہ کے نبی حضرت یوسف کو، ان کے والدین اور بھائیوں کا۔

اب یہاں خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم کو فرشتوں کا سجدہ اور حضرت یوسف کو ان کے والدین اور بھائیوں کا سجدہ، یہ سجدہ تعظیمی تھا جو ان کی شریعت میں سلام و مصافحہ اور دست بوسی کا درجہ رکھتا تھا اور جائز تھا بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو کفر اور شرک کے شائبہ سے بھی پاک رکھنا تھا اس لئے اس شریعت میں خداوند قدوس کے سواء کسی کو بقصد سجدہ اور رکوع کرنا جائز نہیں رکھا گیا۔

بعض صاحب کمال کا یہ کہنا ہے کہ نماز جو اصل عبادت ہے اس میں چار طرح کے افعال ہیں۔ کھڑا ہونا، بیٹھنا، رکوع اور سجدہ ان میں سے پہلے دو یعنی کھڑا ہونا اور بیٹھنا تو ایسے کام ہیں جو عادتاً بھی انسان اپنی ضرورتوں کے لئے کرتا ہے اور عبادتاً بھی نماز میں کیے جاتے ہیں مگر رکوع اور سجدہ ایسے افعال ہیں جو انسان عادتاً نہیں کرتا وہ عبادت ہی کے لئے مخصوص ہیں اس لئے ان دونوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں عبادت کا ہی حکم دے کر غیر اللہ کے لئے ممنوع قرار دیا گیا۔

☆......☆......☆

جنت میں حضرت آدم ایک عرصہ تنہا زندگی بسر کرتے رہے مگر اپنی زندگی اور راحت و سکون میں ایک وحشت اور خلاء محسوس کرتے تھے ان کی طبیعت اور فطرت کسی مونس اور ہمدم کی ضرورت محسوس کرتی تھی چنانچہ خدا نے حضرت حوا کو پیدا کیا اور حضرت آدم اپنا ہمدم اور رفیق پا کر بے حد مسرور ہوئے اور اطمینان قلب

محسوس کیا۔ حضرت آدم اور حوا کو اجازت تھی کہ وہ جنت میں رہیں اور اس کی ہر چیز سے فائدہ اٹھائیں مگر ایک درخت کو معین کر کے بتا دیا گیا کہ اس کا پھل نہ کھائیں بلکہ اس کے پاس تک نہ جائیں۔

یہ حکم ملنے کے بعد اب ابلیس کو ایک موقع ہاتھ آ گیا اور اس نے حضرت آدم اور حوا کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ یہ شجر شجرِ خلد ہے اس کا پھل کھانا جنت میں ہمیشہ کے لئے آرام، سکونت اور قربِ الٰہی کا ضامن ہے اور قسمیں کھا کر ان کو باور کر دیا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں دشمن نہیں ہوں۔

یہ سن کر حضرت آدم کے انسانی و بشری خواص میں سب سے پہلے نسیان یعنی بھول چوک نے ظہور کیا اور وہ یہ فراموش کر بیٹھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم حکمِ امتنائی تھا نہ کہ مربیانہ شیوا اور آخرکار جنت کے دائمی قیام قربتِ الٰہی کی لگاوٹ پیدا کر دی اور انہوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا

اس پھل کا کھانا تھا کہ بشری لوازم ابھرنے لگے دیکھا تو ننگے ہیں اور لباس سے محروم ہیں تو دونوں نے پتوں سے ستر ڈھانپنے شروع کر دیئے گویا انسانی تمدن کا یہ آغاز تھا کہ اس نے تن ڈھانپنے کے لئے سب سے پہلے پتوں کو استعمال کیا۔

ادھر یہ ہو رہا تھا کہ خدا کا عتاب نازل ہوا اور آدم سے باز پرس ہوئی کہ ''ممانعت کے باوجود یہ عدولِ حکم کیسی؟''

''آدم'' آخر آدم تھے مقبولِ بارگاہِ الٰہی تھے اس لئے شیطان کی طرح مناظرہ نہیں کیا اور اپنی غلطی کو تاویلات کے پردے میں چھپانے سے باز رہے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اقرار کیا کہ ''غلطی ضرور ہوئی ہے مگر اس کا سبب تمرد اور سرکشی نہیں ہے بلکہ بربنائے بشریت بھول چوک اس کا باعث ہے تاہم غلطی ہے اس لئے توبہ استغفار کرتے ہوئے عفو اور درگزر کے خواستگار ہوئے۔''

چنانچہ خدا نے ان کے اس عذر کو قبول فرما لیا اور معاف کر دیا مگر وقت آ گیا تھا کہ حضرت آدم خدا کی زمین پر حقِ خلافت ادا کریں اس لئے بہ تقاضۂ حکمت ساتھ ہی یہ فیصلہ سنایا کہ ''تم اور تمہاری اولاد کو ایک معین وقت تک زمین پر قیام کرنا ہوگا اور تمہارا دشمن ابلیس بھی اپنے تمام سامانِ عداوت کے ساتھ وہاں موجود رہے گا اور تم کو اس طرح ملکوتی اور طاغوتی دو متضاد طاقتوں کے درمیان زندگی بسر کرنا ہوگی اس کے باوجود اگر تم اور تمہاری اولاد مخلص بندے اور سچے تائب ثابت ہوئے تو تمہارا اصلی وطن جنت تمہاری ملکیت میں دیا جائے گا لہٰذا تم اور حوا دونوں یہاں سے جاؤ اور میری زمین پر جا کر بسو اور اپنی مقررہ زندگی تک حقِ عبدیت ادا کرتے رہو۔''

حالانکہ شروع میں خدا نے حضرت آدم سے کہا تھا۔ ''اے آدم تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو جس طرح چاہو کھاؤ پیو امن و چین کی زندگی بسر کرو مگر دیکھو وہ ایک درخت ہے تم اس کے پاس کبھی نہ پھٹکنا اگر تم اس کے پاس جاؤ گے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ حد سے تجاوز کر بیٹھو گے اور ان لوگوں میں ہو جاؤ گے جو زیادتی کرنے والے ہیں۔''

اس کے باوجود کہ خدا نے تنبیہ کر دی تھی پھر بھی شیطان وسوسہ اندازی کرنے میں کامیاب ہوا ان دونوں کے قدم ڈگمگا دیئے اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ جیسی راحت اور سکون کی زندگی بسر کر رہے تھے اس سے نکلنا پڑا خدا کا حکم ہوا کہ یہاں سے نکل جاؤ تم میں ہر وہ جو دوسرے کا دشمن ہے اب تمہیں جنت کی جگہ زمین میں رہنا ہے اور ایک خاص وقت تک کے لئے جو حکمِ الٰہی میں مقرر ہو چکا ہے اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

کچھ صاحبِ علم لوگ یہاں یہ سوال بھی کھڑا کرتے ہیں کہ جب شیطان کو سجدے سے انکار کی بناء پر پہلے ہی مردود کر کے جنت سے نکال دیا گیا تو یہ آدم اور حوا کو بہکانے کے لئے جنت میں کیسے پہنچا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کے بہکانے اور وہاں تک پہنچنے کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر ملاقات کے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیطان جنات میں سے اور اللہ تعالیٰ نے جنات کو بہت سے ایسے تصرفات پر قدرت دی ہے جو عام طور پر انسان نہیں کر سکتے۔

ان کو مختلف شکلوں میں متشکل ہو جانے کی بھی قدرت دی ہے ہو سکتا ہے اپنی قوتِ غیر معمولی کے ذریعے مسمریزم کی صورت سے آدم اور حوا کے ذہن کو متاثر کیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی دوسری شکل میں مثلاً سانپ وغیرہ کی شکل میں متشکل ہو کر جنت میں داخل ہو گیا ہو اور شاید یہی سبب ہوا ہو کہ آدم اور اس کی دشمنی کی طرف دھیان نہ رہا اور وہ اپنا کام کر گزرنے میں کامیاب ہو گیا۔

بہرحال یہ شیطان تھا جس نے دھوکے اور لغزش کے ذریعے حضرت آدم اور حوا دونوں کو جنت سے نکال دیا جس میں وہ آرام اور سکون سے زندگی بسر کر رہے تھے اور یہ نکالنا اگرچہ بہ حکمِ خداوندی ہوا مگر سبب اس کا شیطان تھا۔

اس درخت کا پھل کھانے اور پھر جنت سے نکالے جانے کے حکم سے متعلق علماء اور مفسرین مزید لکھتے ہیں حضرت آدم کو کسی خاص درخت کا پھل کھانے سے منع فرمایا گیا تھا اور اس میں اس پر بھی متنبہ کر دیا گیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اور ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں گناہ میں مبتلا کر دے اس کے باوجود آدم نے اس درخت کا پھل کھا لیا۔

چنانچہ تحقیق یہ ہے کہ انبیاء کی عصمت تمام گناہوں سے عقلاً اور نقلاً ثابت ہے اور انبیاء تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ انبیاء کو لوگوں کا مقتدا اور راہبر اور ایک طرح کا نمونہ بنا کر بھیجا جاتا ہے اگر ان سے بھی کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف خواہ گناہِ کبیرہ ہو یا صغیرہ صادر ہو سکے تو انبیاء کے اقوال اور افعال سے ایمان اٹھ جائے گا اور وہ قابلِ اعتماد نہیں رہیں گے جب انبیاء پر یہ اعتماد اور اطمینان نہ رہے تو دین کا کہاں ٹھکانہ ہے۔

البتہ قرآن مجید کی بہت سی آیات سے متعدد انبیاء کے متعلق ایسے واقعات مذکور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے آدم سے غلطیاں سرزد ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب بھی ہوا۔

ایسے واقعات کا حاصل بالاتفاق امت یہ ہے کہ کسی غلط فہمی یا خطا و نسیان کی وجہ سے ان کا صدور ہو جاتا ہے کوئی پیغمبر جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے خلاف عمل نہیں کرتا غلطی اجتہادی ہوتی ہے یا خطا و نسیان کے سبب قابلِ معافی ہوتی ہے جس کو اصطلاحِ شرح میں گناہ نہیں کہا جا سکتا یہ سہو و نسیان کی غلطی ان سے ایسے کاموں میں نہیں ہو سکتی جن کا تعلق تبلیغ اور تعلیم اور تشریح سے ہو بلکہ ان سے ذاتی افعال اور اعمال میں ایسا سہو و نسیان ہو سکتا ہے۔

مگر کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء کا مقام نہایت بلند ہے اور بڑوں سے چھوٹی بھی غلطی ہو جائے تو بہت بڑی غلطی سمجھی جاتی ہے اس لئے ایسے واقعات کو معصیت گناہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس پر بھی کہا گیا ہے اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے وہ گناہ نہیں۔

حضرت آدم کے اس واقعہ کے متعلق علماء تفسیر کے بہت سے توجیہات ہیں مثلاً۔

اول یہ کہ جس وقت آدم کو منع کیا گیا تھا تو ایک خاص درخت کی طرف اشارہ کر کے منع کیا گیا تھا کہ اس کے قریب نہ جاؤ اور مراد خاص یہی درخت نہیں تھا بلکہ اس کی جنس کے سارے درخت مراد تھے جیسے ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی کپڑا اور ایک سونے کا ٹکڑا ہاتھ میں لے کر ارشاد فرمایا۔

''یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں'' ظاہر ہے حرمت صرف اس کپڑے اور سونے کے اس ٹکڑے کے ساتھ مخصوص نہیں تھی جو اس اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں تھے

بلکہ تمام ریشمی کپڑے اور سونے کا یہی حکم ہے کسی کو یہ وہم بھی ہوسکتا ہے کہ ممانعت صرف اس کپڑے اور سونے کے ساتھ وابستہ ہے جو اس وقت آپ کے دستِ مبارک میں تھے۔

اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو یہ خیال ہوگیا کہ جس درخت کی طرف اشارہ کر کے منع کیا گیا ممانعت اسی کے ساتھ خاص ہے شیطان نے یہی وسوسہ ان کے دل میں مزین اور مستحکم کر دیا اور قسمیں کھا کر یہ باور کرایا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں تمہیں کسی ایسے کام کا مشورہ نہیں دے رہا جو تمہارے لئے ممنوع یا مضر ہو جس درخت کی ممانعت کی گئی ہے وہ دوسرا ہے اس درخت کی ممانعت نہیں ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت آدم کو جس وقت شیطان نے اس درخت کے پھل کھانے کے منافع بتائے کہ اس کے کھانے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت کی نعمتوں میں رہنے کا اطمینان ہوجائے گا اس وقت ان کو وہ ممانعت یاد نہ رہی ہو جو ابتدائے آفرینش کے وقت اس درخت کے متعلق کی گئی تھی ہوسکتا ہے وہ بھول گئے ہوں اور اسی کی وجہ سے اس درخت کے نزدیک گئے ہوں۔

بہرحال اس طرح کے متعدد احتمالات ہوسکتے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جان بوجھ کر نافرمانی کا صدور حضرت آدم علیہ السلام سے نہیں ہوا تھا بھول ہوگئی یا اجتہادی لغزش جو درحقیقت گناہ نہیں مگر حضرت آدم علیہ السلام کی شانِ نبوت اور قربِ خداوندی کے مقامِ عالی کے اعتبار سے یہ لغزش بھی بڑی سمجھی گئی اور اس کو معصیت کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا اور حضرت آدم کی توبہ استغفار کے بعد معاف کرنے کا ذکر فرمایا گیا۔

اب یہ بحث فضول ہے کہ جب شیطان کو جنت سے مردود کر کے نکال دیا گیا تو پھر آدم کو بہکانے کے لئے وہاں کس طرح پہنچا کیونکہ شیطان کے بہکانے اور وسوسہ ڈالنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جنت میں داخل ہوکر ہی وسوسہ ڈالے جنات اور شیاطین کو خداوندِ قدوس نے یہ قدرت دی ہے کہ وہ دور سے ہی دل میں وسوسہ ڈال سکتے ہیں اور اگر داخل ہوکر بالمشافہ گفتگو ہی کو تسلیم کیا جائے تو اس کے بھی مختلف احتمالات ہوسکتے ہیں جس کی تحقیق میں پڑنا بے فائدہ اور لایعنی بحث ہے۔

اس طرح یہ سوال کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کو اللہ تعالیٰ نے پہلے متنبہ کر دیا تھا اس درخت کا پھل کھانے سے تمہیں جنت سے نکلنا پڑے گا پھر آدم اس کے دھوکے میں کس طرح آگئے اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات اور شیاطین کو مختلف شکلوں میں ظاہر ہونے کی قدرت عطا فرمائی ہے ممکن ہے وہ کسی ایسی صورت میں سامنے آیا ہو جس کی وجہ سے آدم یہ نہ پہچان سکیں ہو کہ یہ شیطان ہے۔

☆......☆......☆

حضرت آدم کے سلسلے میں کچھ حضرات یہ سوال بھی اٹھاتے ہیں کہ انسانِ اول یعنی حضرت آدم کی پیدائش کب ہوئی، کیا کائنات ارض وسماء کے ساتھ ساتھ یا غیر معین مدت کے بعد ان کی ہستی عالم وجود میں آئی۔

یہود و نصاریٰ کے علماء نے تخلیق اور تکوینِ کائنات کے بارے میں جو چھ دن کی تعبیر اختیار کی ہے انہیں ایام میں سے ایک دن حضرت آدم نے بھی لباسِ وجود پہنا اور وہ جمعہ کا دن تھا مسلمانوں میں سے علامہ سبکی اس کی تائید کرتے ہیں لیکن علماء کمال کہتے ہیں کافی غور وفکر کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ علامہ سبکی کو مغالطہ غالباً حدیث کی اس تفصیل سے ہوا جو فضائل جمعہ میں مذکور ہے اور جس میں کہا گیا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدم کی پیدائش جمعہ کے دن ہوئی۔

اس روایت میں صرف اس قدر مذکور ہے کہ سبکی نے اپنی جانب سے یہ اضافہ کر دیا کہ جمعہ ان چھ ایام میں سے ایک تھا جن چھ ایام میں کائنات کی تخلیق نے کی۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید نے متعدد جگہ خلق کائنات کا ذکر کیا ہے لیکن کسی ایک جگہ بھی خلق آدم ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ارض وسماوات سے زیادہ حضرت آدم کا ذکر ضروری تھا جو قرآن ہی کی زبان میں اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس قدر اہم شخصیت کو ان چھ ایام میں ہی سے کسی دن وجود بخشا جائے اور اس کا ذکر تک نہ کیا جائے کیونکہ ان آیات میں صرف دو ہی باتیں ذکر کی گئی ہیں ایک ارض وسماوات کی پیدائش کا معاملہ اور دوسرا خدا کے عرش پر متمکن ہونے کی بات۔

مگر آدم کی ولادت سے متعلق صراحت تو کجا اشارہ تک موجود نہیں ہے پھر مستزاد یہ کہ قرآن مجید نے جس موقع پر حضرت آدم کا ذکر کیا کسی بھی نہج سے کیا ہے ان میں سے کسی ایک مقام بھی یوم پیدائش کا ذکر نہیں آتا بات واضح ہے کہ اصل حقیقت یہی ہے کہ خلقِ سماوات وارض ہزاروں، لاکھوں بلکہ غیر معین مدت کے بعد کا علم صرف عالم غیب کو ہی ہے اور حضرت آدم کو کس جمعہ میں خلعت وجود عطا کیا گیا اور چھ ایام کے جمعہ کے کسی بھی تخلیق وتکوین نہیں ہوئی بلکہ استوائے علی الارض کا مظاہرہ ہوا اور اس لئے جمعہ کا دن جشن یا تعطیل کا دن قرار دیا گیا۔

آدم وحوا دونوں عربی نام ہیں یا عجمی یہ نام کسی سے مناسبت رکھتے ہیں یا صرف نام ہی کی حیثیت میں ہیں۔

پہلے سوال کے متعلق مشہور محدث حافظ ابن حجر کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ سریانی نام ہے اور بائبل میں الف کے مد اور دو کے طول کے ساتھ پڑھا جاتا ہے یعنی آدم اور کچھ علماء کہتے ہیں کہ یہ عربی نام ہے اس کے علاوہ کچھ اور علماء کہتے ہیں کہ عبرانی زبان میں آدم مٹی کو کہتے ہیں کیونکہ ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی اس لئے آدم نام رکھا گیا اور بعض کا خیال ہے کہ یہ ادمتہ سے ماخوذ ہے خاص اس لئے کہ ادیم الارض یعنی سطح زمین سے پیدا کئے گئے ہیں اور بعض علماء کہتے ہیں کہ آدمت بامعنی خلط سے ماخوذ ہے اور کیونکہ ان کا خمیر پانی اور مٹی کو ملا کر اور خلط ملط کر کے بنایا گیا ہے اس لئے اس مناسبت سے ان کو آدم کہا گیا اور اسی طرح حوا نام اس لئے پڑا کہ وہ ہر انسان حی یعنی زندہ انسان کی ماں ہے اور مبالغہ کا صیغہ بنا کر ان کا نام رکھ دیا گیا۔

بہرحال نام اور معنی میں مناسبت کا یہ سوال نقطہ اور لطیفہ کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے بیان کردہ تمام وجوہ بیک وقت صحیح ہوسکتی ہے اور کسی ایک وجہ کو دوسری وجہ پر ترجیح بھی دی جاسکتی ہے کیونکہ یہ باب بہت وسیع ہے۔

تیسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو سجدے کا حکم دیا تھا تو فرشتوں کو دیا تھا اور ابلیس فرشتوں کی جنس میں داخل نہیں تو پھر اس پر عتاب الٰہی کیوں ہوا اور وہ نافرمانی کا مرتکب کس لئے قرار دیا اس کا جواب یہ ہے بلاشبہ ابلیس ملائکہ کی جنس نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے جب سجدے کا حکم فرمایا تو اس وقت مجلس میں موجود تھا اور غیر معلوم مدت تک فرشتوں کے ساتھ تسبیح اور تحلیل میں مشغول رہنے کی وجہ سے وہ اس حکم کا مخاطب تھا اور وہ بھی خود کو مخاطب سمجھتا تھا اس لئے جب خداوندِ قدوس نے اس سے دریافت کیا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا تو اس نے یہ جواب دے دیا کہ میں فرشتہ نہیں ہوں اس لئے کہ اس حکم کا مخاطب ہی نہ تھا کہ سجدہ کرتا بلکہ ازرہ غرور کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں اس لیے سجدہ سے باز رہا۔

بہرحال ابلیس جب جنت سے مردود ہوکر نکال دیا گیا تو پھر وہ آدم اور حوا کو اور ان کی اولاد کو بہکانے کے کام میں لگ گیا۔

بہرحال حضرت آدم اور حوا کو جنت سے نکالا گیا یہاں مزید دو سوال اٹھتے ہیں پہلا یہ کہ حوا کو کیسے پیدا کیا گیا اور حضرت آدم جنت سے نکالے گئے تو وہ کہاں تھیں اور جنت سے نکالنے کے بعد آپ کو کہاں بھیجا گیا۔

جہاں تک حوا کی پیدائش کا تعلق ہے تو اس کی زیادہ تفصیل نہیں کی گئی ان کے متعلق یہی کہہ دیا گیا کہ اور اس نفس سے جوڑے کو پیدا کیا۔

چونکہ حوا کی پیدائش کی تفصیل نہیں بتائی گئی اس لئے اس کے متعلق مختلف احتمال ہیں اول یہ کہ حوا حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی جیسا کہ مشہور ہے

بائبل میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

دوئم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کو اس طرح پیدا کیا کہ مرد کے ساتھ اس کی جنس سے ایک دوسری مخلوق بنائی جس کو عورت کہا جاتا ہے اور مرد کی رفیق حیات بنی۔

جہاں تک قرآن مجید سے ہمیں راہنمائی ملتی ہے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید صرف حضرت حوا کی تخلیق کا ذکر نہیں کرتا بلکہ عورت کی تخلیق کے متعلق حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ وہ بھی مرد ہی کی جنس سے ہے اور اس طرح مخلوق ہوئی البتہ حدیث کی روایتوں میں یہ ضرور آتا ہے کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی۔

مزید یہ لکھا جاتا ہے کہ حوا آدم کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی مگر کچھ علماء اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ دراصل عورت کو پسلی سے تشبیح دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ عورت کی خلقت کی ابتداء پسلی سے کی گئی ہے اس کا حال پسلی ہی کی طرح ہے اگر اس کی کجی کو درست کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی تو جس طرح پسلی کے ترچھے پن کے باوجود اس سے کام لیا جاتا ہے اور اس کے خم کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی اسی طرح عورت کے ساتھ نرمی اور رفاقت کا معاملہ کرنا چاہئے ورنہ سختی کے برتاؤ سے خوشگواری کی جگہ تعلق کی شکست وریخت کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

اب دوسری بات یہ الجھی ہے کہ حضرت آدم جس جنت میں مقیم تھے اور جہاں سے انہیں زمین پر اترنے کا حکم دیا گیا تو وہ جنت کون سی جنت ہے، کیا وہ جنت الماوٰی ہے جو بعد قیامت اہل ایمان کا مستقر ہوگی یا جنت ارضی جو اس زمین سے کسی بلند پر فضا مقام پر آدم کی حکومت کے لئے بنائی گئی تھی۔

اس سلسلے میں جمہور علمائے اسلام کا مسلک یہ ہے کہ جنت الماوٰی ہے جس کا وعدہ آخرت میں مسلمانوں کے لئے کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں بہت سی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔

علماء زور دے کر کہتے ہیں کہ یہ اسی مشہور جنت کا ذکر ہے جس کو جگہ جگہ قرآن وحدیث میں قیام قیامت کے بعد مومنوں کا وطن بتایا گیا ہے ورنہ اگر کسی نئے مقام کا ذکر ہوتا تو پہلے اس کی حقیقت کا اظہار ہوتا پھر اس کا جانی پہچانی چیز کی طرح ذکر کیا جاتا۔

ان علماء کے برعکس کچھ علماء کی جماعت کہتی ہے کہ یہ جنت دنیا ہی کے مقامات میں کسی مقام پر تھی جنت الماوٰی نہ تھی اور اپنے قول کی تائید میں یہ کہتے ہیں کہ آیات قرآنی ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا کو وہاں کھانے پینے کا مکلف بتایا اور ایک درخت کا پھل نہ کھانے کی تکلیف دی پھر وہاں آدم خواب راحت بھی رہتے تھے اور وہاں ابلیس بھی آتا جاتا رہتا تھا اور اس نے حضرت آدم کو بہکا بھی دیا اور پھر آدم وحوا اور ابلیس وہاں سے نکالے بھی گئے یہ تمام وہ امور ہیں جو دنیا کے ساتھ مخصوص ہیں اور جنت الماوٰی ان کا وجود نہیں ہے اور نہ وہ عالم تکلیف ہے اور نہ اس میں داخلہ کے بعد اخراج ہے یہ قول بھی بڑے بڑے علماء کی طرف منسوب ہیں اور ان دو آراء کے علاوہ اس سلسلے میں دو رائے اور بھی ہیں اور اس طرح اس مسئلہ پر چار اقوال ہو جاتے ہیں

پہلے گروہ کا خیال ہے کہ یہ جنت الماوٰی وہی ہے جس میں قیامت کے روز مسلمان رہیں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ زمین پر کوئی جنت ہے جہاں حضرت آدم اور حوا کو رکھا گیا اور پھر نکالا گیا تیسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ جنت ماوٰی اور جنت ارضی کے علاوہ ایک اور جنت ہے جو صرف اسی غرض سے تیار کی گئی تھی۔

چوتھا گروہ کہتا ہے کہ اس معاملے میں توقف اور سکوت کرنا چاہئے اور اسے خدا کے حوالے کر دینا چاہئے کہ یہ بحث بہت طویل ہے اور جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

بہرحال حقیقت حال کا عالم تو خدا ہی کو ہے لیکن تمام دلائل اور براہین کے دیکھنے کے بعد زیادہ تر علماء کی رائے یہی ہے کہ یہ معاملہ بلاشبہ جنت الماوٰی میں ہی پیش آیا کھانے، سونے اور شیطان کے وسوسہ ڈالنے کے تمام معاملات جنت ماوٰی میں اس وقت پیش آئے جب تک انسان ابھی تک اس عالم میں نہیں آیا پس یہ جو کچھ ہوا معیشت الٰہی کی حکمت بالغہ کے زیر اثر اس لئے ہوا کہ یہ تمام تکوینی امور انسان کے زمین پر آباد ہونے اور خلافت الٰہیہ کے حق دار بننے کے لئے ضروری تھے۔

پس اگر یہی راجح قول ہے کہ اس جگہ جنت سے مراد جنت مادہ ماوٰی ہی ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حوا زمین کے کس حصے پر اتارے گئے تو بعض ضعیف روایتوں میں ہے کہ حضرت آدم ہندوستان کی سرزمین پر اور حضرت حوا جدہ کی سرزمین میں اتارے گئے اور پھر مل کر دونوں عرفات کے میدان میں ایک دوسرے سے جا ملے اس لئے اس میدان کا نام عرفات ہوا کیونکہ دونوں نے اس مقام پر ایک دوسرے کو پہچانا۔

لیکن قرآن مجید نے اس حصے کو نظر انداز کر دیا کیونکہ اس کا اظہار رشد وہدایت سے غیر متعلق تھا البتہ قلبی رجحان، نفسیاتی بحران اس جانب توجہ دلاتے ہیں کہ آدم وحوا ایک جگہ اتارے گئے ہونگے تاکہ حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے زیر اثر جلد ہی نسل انسانی کی افزائش اپنا کام کر سکے اور اس عالم خاکی کے مکین خدا کی زمین کو آباد کر کے انسانیت کے سب سے بڑے شرف یعنی خلافت ارضی کا پورا پورا حق ادا کر سکتے۔

جو صاحبان اس کے قائل ہیں کہ جنت الماوٰی ہے ان پر دوسرے گروہوں کا یہ اعتراض ہے کہ اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے اور یہ ظاہر ہے کہ اس کا دوسرا نام جنت الخلد ہے تو حضرت آدم سے ابلیس کا یہ کہنا کہ میں تمہیں شجر خلد کا پتا بتاؤں کیا معنی رکھتا ہے۔

لیکن اول الذکر علماء نے ان حضرات سے جو جنت ارضی کے قائل ہیں پلٹ کر یہ سوال کرتے ہیں اگر یہ جنت ارضی تھی تو اس دار فانی میں ابلیس، حضرت آدم سے ایسی بحث بھی کیسے کر سکتا تھا کہ دنیا اور اس کی تمام اشیاء تو فانی ہیں مگر اس میں ایک شجر خلد بھی ہے دار فانی میں خلود کہاں اس کو تو معمولی عقل کا انسان بھی تسلیم نہیں کرتا چہ جائیکہ حضرت آدم اس کو تسلیم کر لیتے۔

جو علماء اس جنت کو جنت ارضی بتاتے ہیں ان میں سے علمائے طبقات ارض کا یہ دعویٰ ہے کہ ربع مسکون میں جس خطے میں جنت قائم تھی وہ آج کائنات ارضی پر موجود نہیں ہے یہ حصہ کارہ حو کے نام سے اس دنیا میں آباد تھا مگر مختلف حوادث اور پیہم زلزلوں کے باعث بحر ہند میں ہزاروں سال ہوئے غرق ہو گیا اور یہ کہ جب یہ حادثہ پیش آیا تو اس خطے پر بسنے والی انسانی آبادی تقریباً چھ کروڑ کی تعداد میں ہلاک ہو گئی۔

بائبل میں اس کا مقام وقوع وہ بتایا گیا ہے جہاں سے دجلہ اور فرات نکلتے ہیں حضرت آدم کی زندگی کے مزید حالات بیان کرنے سے پہلے کچھ لوگوں کے اس سوال کا بھی جواب دے دینا چاہئے جو یہ سوال کرتے ہیں کہ حضرت آدم کیا نبی اور رسول ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت اسلامی میں نبی اس ہستی کو کہتے ہیں جس کو حق تعالیٰ نے اپنی ہدایت کے لئے چن لیا ہو اور وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتی ہو اور رسول اس نبی کو کہا جاتا ہے جس کے پاس اللہ کی جانب سے نئی شریعت اور نئی کتاب دی گئی ہو۔

بہرحال حضرت آدم اور حوا کو جنت سے نکالا گیا اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آدم اور حوا نماز ظہر اور عصر کے مابین بہشت سے زمین پر اتارے گئے بہشت میں ان کا زمانہ قیام نصف دن تھا اس دن کا حساب آخرت کے دنوں میں سے نصف دن کے پانچ سو برس ہوئے ہر دن بارہ گھنٹے کا اہل دنیا کے حساب سے ایک دن کے ایک ہزار برس ہوئے۔

علامہ ابن سعد تفصیل کے ساتھ حضرت آدم کے جنت سے نکالے جانے پر لکھتے ہیں کہ آدم ہندوستان کے ایک پہاڑ پر اتارے گئے جس کو جبل نوز کہتے ہیں اور حوا جدہ میں اتاری گئیں آدم اترے تو ان کے ساتھ بہشتی ہوائیں بھی تھیں جن کے درختوں اور وادیوں میں لگنے سے تمام خوشبو ہی خوشبو بھر گئی یہ حضرت آدم علیہ السلام کی ہوا تھی جس سے خوشبو پھیلی جس کے

باعث ہندوستان خوشبو کا مستقر بنا۔

کہتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت یعنی جنت سے نکالا گیا تو ان کے ساتھ کچھ چیزیں بھی اتاری گئیں آپ کے ساتھ آس کا درخت اترا، حجر اسود بھی اترا جو برف سے زیادہ سفید تھا، عصائے موسیٰ بھی ان کے ساتھ اترا، جو بہشتی درخت آس کی لکڑی کا تھا یہ دس ہاتھ لمبا تھا جتنے خود حضرت موسیٰ لمبے تھے اس کے علاوہ بقول ابن سعد برو اور لوبان بھی بہشت ہی سے حضرت آدم کے ساتھ اتارے گئے بعد کو لندان، ہتھوڑا، سنسی سب بھی ان کے پاس بھیجے گئے ابن سعد اپنی تاریخ طبقات ابن سعد میں مزید لکھتے ہیں کہ کوہستان فوذ پر آدم کا اور نزول ہوا تو پہاڑ پر انہوں نے لوہے کی ایک شاخ دیکھی دیکھتے ہی کہنے لگے یہ آس کا درخت ہے جو درخت پرانے ہو کر سوکھ گئے تھے ان کی لکڑیاں مختلف طریقوں سے توڑے تھے۔

آدم اسے کام میں لاتے پھر تنور بنایا یا وہی تنور تھا جو حضرت نوح کو وراثت میں ملا اور یہ وہی تنور تھا جس میں سے حضرت نوح کے دور میں طوفان کی ابتداء ہوئی یعنی تنور سے پانی ابل پڑا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت آدم نے حج کیا تو حجر اسود کو ابو قبیس پر نصب کر دیا یہ اندھیری راتوں میں روشن رہتا تھا جیسے چاند روشن رہتا ہے زن و مرد پہاڑ پر چڑھ کر اسے چھوتے اور چومتے تھے جس کے باعث یہ سیاہ پڑ گیا اسلام سے چار برس پیشتر کا واقعہ ہے کہ قریش نے اس کو ابو قبیس کی چوٹی سے اتار لیا اور خانہ کعبہ میں نصب کر دیا جہاں اب بھی منصوب ہے۔

☆......☆......☆

سرسید نے بھی آدم اور ابلیس کے اس واقعے سے متعلق اپنی رائے کا خوب اظہار کیا ہے چنانچہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مصنفین لکھتے ہیں کہ جب ابلیس نے کہا اے آدم میں تجھے ہمیشہ رہنے کا درخت اور پرانی ہونے والی سلطنت کا قیام بتاؤں اور کہا اللہ تعالیٰ نے تمہیں سوائے اس کے اور کس لئے اس درخت سے منع کیا کہ تم فرشتے ہو جاؤ گے یا ہمیشہ رہو گے ان سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تمہارا خیر خواہ ہوں یہ کہہ کر انہیں دھوکے میں ڈال دیا پھر جب انہوں نے اس درخت کا پھل چکھا تو ان کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں اور دونوں نے جنت کے درختوں کے پتوں سے انہیں چھپانا شروع کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو للکار کر کہا میں نے اس درخت کا پھل کھانے سے روکا تھا اور تم سے نہیں کہا تھا کہ شیطان ابلیس تمہارا کھلا دشمن ہے پس اس نے تمہیں ڈگمگایا اور جس میں تھے اس میں سے نکلوایا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے کہا دور ہو جاؤ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے ایک عرصے تک زمین پر رہنا اور اس سے فائدہ اٹھانا ہے اس میں تم جیو گے اس میں تم مرو گے اور اس میں اٹھو گے نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی اور بہک گیا اور پھر آدم کے دل میں اس کے رب نے چند باتیں ڈالیں پھر اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا وہ بلاشبہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

آدم اور ان کی بیوی حوا نے خدا کو اس موقع پر مخاطب کر کے کہا۔

”اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور مہربانی نہ کرے گا تو بے شک ہم نقصان والوں میں ہوں گے پھر اس کے رب نے اسے پسند کیا اور اسے معاف کیا اور اسے سیدھی راہ بتائی اللہ تعالیٰ نے کہا تم سب سے یہاں دور ہو میرے پاس سے تمہارے پاس ہدایت پہنچے گی اور جو کوئی ہدایت کے مطابق چلے گا تو اسے کچھ خوف نہ ہوگا اور نہ رنجیدہ ہوگا نہ بہکے گا اور نہ بدبخت ہوگا۔“

حضرت آدم سے متعلق یہ قصہ جو قرآن کی مختلف سورتوں میں متعدد آیات میں پھیلا ہوا ہے ہمارے سامنے چار کردار پیش کرتا ہے۔

ایک خدا، دوسرے فرشتے، تیسرا شیطان اور چوتھے آدم۔

بقول سرسید کے انسان کی فطرت سے متعلق یہ حکایت ایک دلچسپ اور نہایت عمدہ بیان ہے لیکن عام لوگ کیونکہ فطرت کے اس راز کو سمجھنے کے قابل نہ تھے اس لیے خدا تعالیٰ نے ابتداء سے اس راز کو ایک دلچسپ قصے کے پیرائے میں بیان کیا ہے جسے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اور انسان کی فطرت کے راز کا جو نتیجہ انسان کو حاصل ہونا چاہیے تھا وہ ہر شخص کو حاصل ہو جاتا ہے۔

سرسید مزید لکھتے ہیں اب اس قصے کو دیکھئے خواہ آپ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے درمیان ایک مباحثہ یا مکالمہ ہوا اور شیطان نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی آدم بھی درخت کا پھل کھا کر اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوئے۔

قرآن حکیم کے بیان سے حضرت آدم کے متعلق جہاں اور بہت سی باتیں سامنے آتی ہیں وہاں ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت آدم کے پاس اللہ تعالیٰ کے احکامات کے سلسلہ میں جاری ہوا تو ان میں سب سے پہلا حکم یہی تھا کہ اس درخت کے پاس نہ جانا مگر حضرت آدم بشریت کے تقاضے سے مجبور ہو کر اس شجر ممنوعہ کے پاس چلے گئے اور پھر وہ سخت پریشان ہوئے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی جو خلاف ورزی ہوئی ہے وہ کوئی اچھی بات نہیں چنانچہ انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی جسے اللہ نے از راہ کرم قبول کر لیا اور آئندہ کے لئے دنیا میں لوگوں کی رہنمائی کے لئے انہیں پیغمبر منتخب کر کے ایک غیبی طریقے یعنی وحی سے ہدایت کا سلسلہ جاری کر دیا۔

اگرچہ قرآن حکیم میں احکام اور قوانین کے ساتھ ساتھ کچھ قصے بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں جیسا کہ حکایت آدم سے واضح ہے لیکن اس سے ہمیں یہ ہرگز خیال نہیں کرنا چاہیے کہ ان قصوں کا خارج میں وجود ہی نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمثیل یا روایت کے طور پر قرآن حکیم میں بیان فرمایا ہے درحقیقت وہ حقائق جن کا بیان کرنا کسی قصے میں ضروری ہوا ہے گہرے غور و فکر سے اگر ہم دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہی ان کا خارجی وجود ہے جسے پیش کرنے کے لئے قصے کا سہارا لینا پڑا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان مکالمہ ہوا اس کے لئے بقول سرسید لفظ قال یعنی کہا کا لفظ عربی زبان میں استعمال ہوا اور یہ لفظ اس بات کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو زبان سے نہ کہی گئی ہو پھر اللہ تعالیٰ کا بندوں سے کچھ فرمانا الگ حیثیت رکھتا ہے اور فرشتوں سے، دوسرے حیوانات سے، تیسری زمین اور آسمان سے باتیں کرنا، چوتھی حیثیت ہے انسانوں میں بھی الگ الگ رنگ اور زبانیں ہیں انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ وحی، الہام، خواب، عقل اور نجانے کن کن طریقوں سے مخاطب ہوتا ہے اس طرح انسان یہ نہیں جان سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ساتھ کس طرح بات کی۔

دوسری بات یہ کہ فرشتوں کا یہ کہنا کہ آدم کو نہ پیدا کر یہ فساد پھیلاتا اور خون گراتا ہے سب بطور مشورہ نہیں کیونکہ مشورہ دینا فرشتے کا کام نہیں بلکہ یہ محض ایک حالت کا اظہار ہے کہ انسان سے خون ریزی عمل میں آئے گی۔

اس کے علاوہ آدم کو ناموں کا علم یعنی علم الاسماء حاصل ہونے سے مراد طبعی علم ہے امام راغب کہتے ہیں علم الاسماء سے مراد الفاظ، معنی، مفردات اور مرکبات سب ہیں نیز اشیاء اور ان کی خصوصیات اور استعمال کا علم بھی ان میں شامل ہے ظاہر ہے اس امر کی روشنی میں سارا علم حضرت آدم ہی کو عطا نہیں ہوا تھا بلکہ بعض علماء کے نزدیک یہاں آدم سے مراد پوری نوع انسانی ہے جس نے علم بتدریج حاصل کیا گویا اللہ تعالیٰ نے آدم کو مختلف اجزاء سے پیدا کیا اور اس میں یہ استعداد رکھی کہ وہ ہر قسم کے مدرکات خواہ معقولات ہوں یا محسوسات، تخیلات ہوں یا موصولات ان سب کو ادراک میں لا کر اور اشیاء کی ذات کی معرفت اور ان کے خواص ان کے اسماء اور علم کے اصول اور صنعتوں کے قوانین اور حالات کی کیفیت اس کردار میں ڈال دی۔

آدم کا فرشتوں کو اسماء بتانا یہ معنی نہیں رکھتا کہ آدم نے انہیں وہ علم دیا جو خدا نے نہ دیا تھا بلکہ یہ ہے کہ انسان نے اشیاء پر تصرف کے ذریعے یہ ظاہر کر دیا کہ

اسے کن کن ناموں کا اسم ہے اور یوں انسان نے دنیا کی اشیاء پر تصرف کیا اور انہیں استعمال میں لایا ظاہر ہوا کہ وہ تمام ہستیوں کو آدم کے سامنے جھک جانا چاہیے نیز آدم کو چاہیے کہ وہ ان سب کو تسخیر کرے۔

مزید لکھا جاتا ہے کہ فرشتوں کی فرمانبرداری کرنا، آدم کو سجدہ کرنے سے مراد یہی ہے کہ انسان نے فرشتوں کو بھی تسخیر کرلیا یہاں سجدہ ابدیت برائے آدم نہیں بلکہ امام راغب کے نزدیک یہ سجدہ گویا فرشتوں نے آدم کی معرفت خدا تعالیٰ کی قدرت کو کیا تھا اس سے آدم کا کمال اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے فرشتوں کا یہ سجدہ حضرت آدم کو نہیں بلکہ ہر آدمی کو تھا۔ اس لئے کہ قرآن مقدس کی سورہ اعراف میں فرمایا۔

''ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورتیں بنائیں پھر ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو گویا ہر بشر کے لئے وہی کچھ ہے جو ابوالبشر کے لئے ہے۔''

اس وقت شیطان نے جسے ابلیس غمگین اور محزون کہا گیا ہے مایوس ہو کر کہا۔

''کہ وہ تو جنوں میں سے ہے اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں کا سردار نہیں تھا اور نہ آدم سے زیادہ علم رکھتا تھا یہ محض اسرائیلی قصے ہیں جو مسلمانوں میں رواج پا گئے ہیں البتہ وہ ایک ایسی ناری قوت ہے جو لوگوں کو ورغلاتی ہے۔

سرسید نے بھی ابلیس سے مراد ایسی قوت لیا ہے جو لوگوں کو ورغلاتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابلیس ایک علیحدہ وجود رکھتا ہے مگر انسانی ادراک سے مستور اور ماورا ہے۔

ابلیس کے متعلق ہے کہ وہ محرک بدی ہے اور سفلی خواہشات دل میں ڈالتا ہے اور یہ بنی آدم کے ساتھ لگا ہوا ہے حضور پاک نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ شیطان ان کے دم کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مدد دی اور وہ آپ کا مطیع ہو گا گویا انسان کا مرتبہ یہی ہے کہ وہ ابلیس کو مطیع کرے گا اور خواہشات نفسانی کو قابو کرے۔

اسی واقعے کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید کہا۔

اللہ تعالیٰ نے آدم ہی سے اس کا جوڑا یعنی حضرت حوا کو پیدا کیا مگر اس طرح نہیں کہ آدم کی ایک پسلی توڑی اور اس سے حوا کو پیدا کر دیا قرآن حکیم میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ''اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمہارے ہی نفسوں سے تمہارے لئے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے تسکین حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحم پیدا ہو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ''اور اللہ نے تمہارے ہی نفس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں۔''

تو اس سے مراد یہ نہیں کہ حضرت آدم کی پسلی سے حوا کو پیدا کیا گیا بلکہ کہا یہ گیا ہے کہ جہاں سے مرد پیدا ہوتا ہے اسی طرح عورت بھی پیدا ہوئی اگرچہ بائبل میں حوا کا پسلی آدم سے پیدا ہونے کا ذکر آتا ہے مگر کسی حدیث سے یہ بات درست ثابت نہیں ہوتی بخاری شریف میں ایک حدیث ہے جس میں لکھا ہے عورت پسلی کی مانند ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے عورتوں کے حق میں بھلائی کی نصیحت قبول کرو کیونکہ وہ پسلی سے یعنی ٹیڑھی پیدا کی گئی ہے یہاں بھی مراد پسلی سے پیدا ہونا نہیں عورت کا پسلی کی طرح ٹیڑھے مزاج کا حامل ہونا ہے کیونکہ ظاہر ہے تمام عورتیں پسلی سے پیدا نہیں ہوتیں حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم آدم اور حوا کے طریقہ تخلیق سے بحث نہیں کرتا ان کا جواب قرآن نے انسان کے علم سے تعلق پر چھوڑ رکھا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے علماء کے مطابق اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی جنت تھی جہاں آدم اور حوا کو رکھا گیا تھا اور جس کا وعدہ اعمال صالح کی صورت میں ہے بعض مفسرین نے جنت سے مراد آرام و راحت کی حالت قرار دی ہے گویا شیطان کے ورغلانے سے پہلے حضرت آدم آرام و سکون کی حالت میں تھے لا محض شجر ممنوعہ کے قریب جانے اور پھل کھا لینے سے اضطراب اور بے چینی کی حالت میں چلے گئے۔

آدم اور حوا کو جنت میں رہنے کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ مذکر اور مونث سب ایک حالت میں ہیں اور کھانے پینے کی چیزوں کی اجازت کا مطلب ہے کہ تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور ایک خاص درخت سے دور رہنے کا مطلب ہے شر سے بچنا اور برائی سے دور بھاگنا چنانچہ جنت سے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان فطرت کے قاعدے کو توڑ کر مشقت میں پھنس جاتا ہے پھر آدم کی توبہ استغفار اسے پھر سے اسی حالت میں لے جاتی ہے۔

آدم کے جنت سے نکالے جانے اور ہبوط و نزول کے متعلق امام راغب لکھتے ہیں کہ اس کے معنی کسی مقام قدر و منزلت سے اترنے کے بھی ہیں ابن اثیر ہبوط آدم کا مطلب نقصان قرار دیتے ہیں تفسیر روح المعانی میں بھی یہی ہے کہ ہبوط مرتبہ میں گر جانے پر بولا جاتا ہے۔

قصہ آدم میں کئی مفسرین نے بہت سے اسرائیلی قصے داخل کر دیئے ہیں ایک یہ کہ شیطان سانپ بن کر جنت میں داخل ہوا حالانکہ قرآن حکیم کا انداز خطابت بتا دیتا ہے کہ شیطان کا طریقہ واردات وسوسہ اندازی تھا نیز یہ جو کچھ ہوا آدم کی لغزش ہے یہ بات غلط ہے یہاں لغزش نہیں بلکہ انسان کی کمزوری کی طرف اشارہ ہے اور پھر اس کا علاج توبہ استغفار بھی انسان کو بتا دیا گیا تا کہ وہ دوبارہ قدر و منزلت حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔

آدم اور حوا جنت سے نکل کر کس مقام پر پہنچے اس کے بارے میں قرآن مجید اور احادیث صحیح خاموش ہیں عام روایات یہ ہیں کہ وہ سراندیپ یعنی لنکا میں اتارے گئے پھر آدم عرب میں گئے اور عرفات میں حوا سے ملاقات ہوئی پھر وہ زمین پر ایک مدت تک رہے۔

الختصر محققین کی رائے یہ ہے کہ حضرت آدم کھیتی باڑی کر کے زندگی بسر کرتے تھے ان کی بہت سی اولادیں تھیں جن میں رشتہ ناتا قائم کرنے کا خاص طریقہ تھا۔

ان کے ایک بیٹے کا نام شیث تھا جو مصر کی جانب دریائے نیل کے کنارے آباد ہوئے ان سے جو اولاد ہوئی وہ حضرت آدم کی پہلی نسل کہلاتی ہے ان کا رنگ کالا تھا چنانچہ حبشی اور مدراسی لوگ اور اسی رنگ روپ کے تمام لوگ قبیلے حضرت آدم کی پہلی نسلوں کی اولاد میں سے ہیں۔

پھر جب رنگ کچھ صاف ہو گیا تو منگول خون کے افراد آئے سفید رنگ کی قوموں کا اجرا حضرت نوح سے ہوا۔ کہتے ہیں کہ حضرت آدم کا زمانہ تقریباً ایک ہزار سال کا تھا اس کے بعد جب حضرت نوح پیدا ہوئے تو علمائے تاریخ کہتے ہیں کہ حضرت آدم سے حضرت نوح تک کی نسلیں زمین کے محدود خطے تک آباد تھیں پھر جب حضرت نوح کے زمانے میں طوفان آیا تو وہاں سے ادھر ادھر بکھر گئیں۔

علمائے تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت نوح کے تین بیٹے مشہور ہوئے ایک سام، دوسرے حام اور تیسرے یافث۔

سام کی اولاد نے صحرا نشینی اختیار کی اور اس سے آگے مختلف سامی قبیلے پیدا ہوئے۔ حام کی اولاد پہلی قوموں کو دھکیلتی ہوئی دریائے نیل کے ساحل پر آباد ہوئی اور اس کا تھوڑا سا حصہ ہندوستان میں گجرات اور کاٹھیاوار میں پایا جاتا ہے مصر کے لوگ بعد میں حبشہ کی طرف دھکیل دیئے گئے۔

یافث کی اولاد عرصے تک مشرقی یورپ اور مغربی ایشیاء کے مغربی پہاڑوں میں ماری ماری پھرتی رہی۔ پھر ان تینوں کی اولادوں کے اختلاط سے ایشیائے کوچک میں ایک علیحدہ جغرافیائی قوم آباد ہوئی جو آریا کہلائی۔

☆......☆......☆

جنت سے نکل کر اس زمین پر آباد ہونے کے بعد حضرت آدم کا دنیائے انسانی میں اضافہ کرنے کے لئے دستور تھا کہ حوا سے جڑواں بچے پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی کا عقد دوسری دفعہ پیدا ہونے والے جڑواں بچوں کے ساتھ کر دیا کرتے تھے اسی دستور کے

مطابق قابیل اور ہابیل جو حضرت آدم کے بیٹے تھے ان کی شادی کا معاملہ پیش تھا قابیل عمر میں بڑا تھا اور اس کی بہن ہابیل کی بہن سے زیادہ حسین اور خوبرو تھی اس لئے قابیل کو یہ انتہائی ناگوار گزرا کہ دستور کے مطابق ہابیل کی بہن سے اس کی شادی ہو اور ہابیل کی اس کی بہن سے، دونوں بھائیوں کے اس تنازعے، اس تکرار کو ختم کرنے کے لئے حضرت آدم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دونوں اپنی اپنی قربانیاں حق تعالیٰ کی جناب میں پیش کریں جس کی قربانی منظور ہوجائے وہی اپنا ارادے کے پورے کر لینے کا مستحق ہوگا۔

اس زمانے میں قربانی یعنی نذر کی قبولیت کا یہ الہامی دستور تھا کہ نذر و قربانی کی چیز کسی بلند جگہ پر رات میں رکھ دی جاتی تھی اور آسمان سے آگ نمودار ہو کر اس کو جلا دیتی تھی اسی قانون کے مطابق ہابیل نے جو گذریا تھا ریوڑ چرایا کرتا تھا اپنے ریوڑ میں سے ایک بہترین دنبہ خدا کی نذر کیا قابیل کیونکہ کھیتی باڑی کرتا تھا چنانچہ قابیل نے اپنی کھیتی کے غلے میں سے ردی قسم کا غلہ قربانی کے لئے پیش کیا دونوں کی حسن نیت اور نیت بد کا اندازہ اسی عمل سے ہوگیا لہٰذا حسب دستور آگ نے آ کر ہابیل کی نذر کو جلا دیا اس طرح قبولیت کا شرف اس کے حصے میں آیا۔

قابیل اپنی توہین کو کسی طرح برداشت نہ کر سکا اس نے غیض و غضب میں آ کر ہابیل سے کہا "میں تجھے قتل کیے بغیر نہ چھوڑوں گا تا کہ تو اپنی مراد کو نہ پہنچ سکے۔"

ہابیل نے کہا میں تو کسی طرح تجھ پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا باقی جو تیری مرضی آئے وہ کر، قربانی کا معاملہ سو خدا کے ہاں تو نیک نیت ہی کی نذر قبول ہو سکتی ہے وہاں بدنیت کی نہ دھمکی کام آ سکتی ہے اور نہ بے وجہ کا غم اور غصہ قابیل پر اس نصیحت کا الٹا اثر ہوا اور غصے سے مشتعل ہو کر اس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔

قتل کے بعد قابیل حیران تھا کہ اس لاش کا کیا کرے ابھی تک نسل آدم موت سے دوچار نہیں ہوئی تھی اور اسی لئے حضرت آدم نے مردے کے بارے میں کوئی حکم الٰہی نہیں سنا تھا۔ یکا یک اس نے دیکھا کہ ایک کوے نے زمین کرید کرید کر گڑھا کھودا چنانچہ قابیل متنبہ ہوئی کہ مجھے بھی اپنے بھائی کے لئے اسی طرح گڑھا کھودنا چاہیے اور بعض روایات میں یہ ہے کوے نے دوسرے مردے کوے کو لے کر اسی گڑھے میں چھپادیا قابیل نے یہ دیکھا تو اپنی ناکارہ زندگی افسوس کیا اور کہنے لگا۔

"کہ میں حیوان سے بھی گیا گزرا ہوں کہ ا جرم کو چھپانے کی اہلیت نہیں رکھتا ندامت سے سر جھکا اور پھر اسی طرح اپنے بھائی کی نعش کو سپرد خاک کیا۔"

اس واقعے کو خدا نے اس طرح بھی پیش کیا حضور اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"اور ان کو حضرت آدم کے دونوں بیٹوں کا حا سناؤ جب دونوں نے کچھ نذر اللہ کو کی ایک نذر منظ ہوئی ایک نامنظور ہوئی دوسرے کی کہا میں تجھ کو مار ڈا وہ بولا اللہ قبول کرتا ہے پرہیزگاروں سے اگر تو چلائے گا مجھ پر مارنے کو میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ مارنے کو میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو پروردگار ہے جہاں کا میں چاہتا ہوں کہ اس اقدام پر میرا گناہ حاصل کرے اپنا گناہ بھی اور پھر دوزخ والوں میں ہوجائے اور یہی ظالموں کی سزا ہے پس اس کے نے اسے خون پر راضی کیا اور اپنے بھائی کو مار ڈالا نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگیا پھر اللہ نے ا کوے کو بھیجا جو زمین کو کریدتا تھا تا کہ اس کو دکھلا کس طرح وہ لاش اپنے بھائی کی چھپاتا ہے بولا ہا افسوس مجھ سے اتنا بھی نہ ہوسکا اس کوے جیسا ہی ہو کہ اپنے بھائی کی لاش چھپالیتا۔"

بنی نوع انسان میں یہ پہلا قتل تھا دراصل کائنات نے انسان کی تخلیق دو متضاد قوتوں کے فرمائی یعنی اس کو نیک اور بد دونوں قسم کی قوتیں کردی گئیں وہ گناہ بھی کر سکتا ہے اور نیکی بھی وہ ار کا بھی حامل ہے اور ارادہ خیر کا بھی اور یہی ا انسانی شرف کا طرۂ امتیاز ہے۔

ان متضاد قوتوں کے حامل انسان میں سے اللہ تعالیٰ رشد و ہدایت اور راہنمائی کے لئے کبھی کبھی کسی شخص کو چن لیتے ہیں اور اس کو اپنا رسول، نبی اور پیغمبر بنالیتے ہیں اور اس سلسلے کی آخری کڑی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات محترم ہے۔

اور تب یہ ہستی نبوت کے لئے چن لی جاتی ہے تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کوئی عمل اور ارادہ کی زندگی میں ہر قسم کے گناہ سے پاک اور ہمہ قسم کے نافرمانیوں سے منزہ ہوتا کہ پیغام الٰہی کے منصب میں خدا کی صحیح نیابت کر سکے۔

پیغمبر بھی کھاتا پیتا ہے سوتا اور اہل و اعیال کی زندگی سے بھی وابستہ ہے اور ہر قسم کے عملی اور ارادی گناہوں سے پاک بھی ہے چونکہ وہ ہر قسم کی نیکی کے لئے ہادی اور مرشد خدا کا نائب ہے اگرچہ وہ دوسرے انسانوں کی طرح متضاد قوتوں کا حامل ضرور ہے لیکن عمل اور ارادہ میں اس کو ہر قسم کی بدی کے ظہور کو ناممکن اور محال کر دیا گیا ہے تا کہ اس کا ایک ارادہ ہر ایک عمل، ہر ایک قول، غرض ہر ایک حرکت اور سکون کائنات کے لئے اسوہ حسنہ بنی رہی البتہ شریعت اور انسانیت سے ہونے کی بنا پر اور لغزش کا امکان باقی رہتا ہے کبھی کبھی زلّی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے مگر فوراً ہی اس کو متنبہ کر دیا جاتا ہے وہ اس سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

اس بحث سے حضرت آدم اور ان کے بیٹوں کے کردار میں جو فرق تھا وہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی صاحب علم یہ لکھتے ہیں کہ اس حقیقت کے واضح ہونے جانے کے بعد حضرت آدم کے واقع پر غور کیجئے رنظر ڈالیے کہ قابیل سے جو اپنے بھائی ہابیل کے قتل کے سلسلے میں عمل سرزد ہوا وہ سراسر گناہ، بدی اور گناہ کبیرہ کے زمرے میں آتا ہے جبکہ حضرت آدم کو منع کردہ شجر کا پھل کھانے کے سلسلے میں حضرت آدم کی یہ لغزش نہ غلطی تھی نہ گناہ اور نہ نافرمانی بلکہ ایک قسم کی لغزش تھی۔

اس لیے کہ واقعہ سے متعلق تمام آیات اور ان آیات کو جو حضرت آدم کی جلالت قدر، صفوت اور برگزیدگی اور خلعتِ خلافت سے سرفرازی کو ظاہر کرتی ہیں جدا جدا کر کے نہ دیکھا جائے جیسے کہ معترضین کا عام قاعدہ ہے اور جو اکثر قرآن فہمی گمراہی کا سبب بنتا ہے اور سب کو یکجا کر کے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت آدم کی عصمت کا مسئلہ ایک قابل انکار حقیقت ہے اور اس میں قطعی شائبہ، شبہ اور شک کی گنجائش نہیں ہے۔

ساتھ ہی مفسرین یہ بھی لکھتے ہیں کہ بالفرض اگر سہواً اور نسیاً کو عام معنی میں لیا جائے تب بھی وہ اصول پیش نظر رکھنا ضروری ہے جو مسئلہ عصمت کی حقیقت کے سلسلے میں ابھی بیان ہو چکا ہے کہ جب نصوص قرآن حضرت آدم کی نبوت، صفوت اور خلافت جیسے عظیم الشان مراتب کا اظہار کرتی ہے تو اس آیت میں ان کی لغزش کو ان سخت الفاظ کے ساتھ اس لیے یاد کیا گیا کہ آدم جیسے مقرب ہستی کے لئے جن کو اللہ تعالیٰ کی براہ راست ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا یہ لغزش اور نسیان بھی اس کے مرتبہ سے غیر موزوں ہے لہٰذا زیادہ سے زیادہ قابل گرفت رکھی گئی اگرچہ ابرار اور نکوکار انسانوں کے حق میں اس قسم کی غلطی ایک معمولی بات ہی کیوں نہ ہو۔

جہاں تک ہابیل کے ہاتھوں قابیل کے قتل کا تعلق ہے تو اس میں بھی ابلیس ہی ملوث نظر آتا ہے اس لیے کہ اس نے بنی نوع انسان کو بہکانے کا دعویٰ کیا تھا چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے سلسلے میں تین کردار بڑے اہم اور نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتے ہیں ایک خود حضرت آدم، دوسرے فرشتے اور تیسرے جن، جہاں تک حضرت آدم کی ذات کا تعلق ہے ان سے متعلق تفصیل بتادی گئی ہے جہاں تک فرشتوں اور جن کا تعلق ہے ان سے متعلق بھی تفصیل بتادی گئی ہے جہاں تک فرشتوں اور جن کا تعلق ہے تو یہ دونوں خدا تعالیٰ کی مستقل مخلوق ہیں یا صرف دو قوتوں کا نام ہے جو قوت ملکوتی اور قوت شیطانی سے موصوف ہے۔

جس قدر تعلق فرشتے کا ہے تو قرآن مجید اور

احادیثِ رسولؐ نے جو کچھ ہم کو بتایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ہم فرشتے کی نہ حقیقت تخلیقی سے واقف کیے گئے ہیں اور نہ ہم کو نظر آتے ہیں۔

البتہ ہمارے لئے یہ یقین اور اعتقاد ضرور قرار دیا گیا ہے کہ ہم ان کے وجود کو تسلیم کریں اور ان کو مستقل مخلوق یقین کریں اس لیے کہ قرآن عزیز اور احادیث صحیح نے ان میں سے بعض کے ناموں کی تصریح تک کی ہے اور جنس ملائکہ کی جن صفات کا ذکر فرمایا ہے وہ ان کے ایک مستقل مخلوق ہونے کی صراحت کرتی ہے مثلاً خدا نے فرمایا۔

"تو کہہ دے کہ جو کوئی جبرائیل کا دشمن ہو سو اس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر خداوند قدوس کے حکم سے"۔

دوسری جگہ فرمایا "جو کوئی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہوا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا"۔

ایک اور جگہ فرمایا "وہ فرشتوں کو بھید دے کر اتارتا ہے اپنے حکم سے جس پر چاہا ہے اپنے بندوں میں سے"۔

پھر فرمایا "سب خوبی اللہ کے لیے ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے جس نے فرشتوں کو پیغام لانے والا ٹھہرایا جن کے بازو میں دو دو، تین تین اور چار چار بڑھاتا ہے وہ پیدائش جو چاہتا ہے بے شک اللہ ہر چیز کرسکتا ہے"۔

ایک اور جگہ فرمایا "فرشتے اور روحیں اس کے آگے پیش ہوں گے" پھر فرمایا "اور جب تیرے پروردگار نے کہا فرشتوں سے کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا تو ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد پھیلائے گا"۔

ان آیات کو غور سے پڑھنے کے بعد انسان خود فیصلہ کرلیتا ہے جن ملحدوں نے فرشتوں کے مستقل مخلوق ہونے سے انکار کیا ہے ان کی باطل تاویلات اور پھر قرآن مجید میں معنوی تحریفات کس حد تک قابل قبول بلکہ لائق ذکر ہیں۔

جہاں تک دوسری مخلوق جن کا تعلق ہے تو جن بھی خدائے تعالیٰ کی مستقل مخلوق ہے جس کی حقیقت تخلیق سے ہم پوری طرح آگاہ نہیں ہیں نہ عام انسانی آبادی کی طرح ہم کو نظر آتے ہیں لیکن قرآن مجید نے جو تصریحات اس مخلوق کے متعلق کی ہیں وہ ہمارے لئے ضروری قرار دیتی ہیں کہ ہم یہ اعتقاد اور یقین رکھیں کہ وہ بھی انسان کی طرح مستقل مخلوق ہیں اور اسی کی طرح شریعت کے مکلف بھی ہیں ان میں توالد اور افزائش نسل کا سلسلہ بھی ہے اور ان میں نیک اور بد بھی ہیں۔

اس طرح خدا نے اپنے بندوں کو اس مخلوق سے متعلق بھی آگاہ کیا جیسا کہ فرمایا۔

"اور ہم نے جن اور انسان کو پیدا کیا مگر صرف اپنی عبادت کے لیے"۔

پھر فرمایا "اے پیغمبر سب لوگوں کو بتادو کہ میرے پاس خدا کی طرف سے اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے چند شخصوں نے مجھے قرآن پڑھتے سنا اور اس نے اپنے پیچھے اپنے لوگوں سے جا کر کہا کہ ہم نے عجیب طرح کا قرآن سنا جو نیک راہ دکھاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم تو کسی کو اپنے پروردگار کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے"۔

پھر جنات ہی کے سلسلے میں خود جنات کی زبان سے یہ فرمایا "اور بلاشبہ کچھ ہم میں سے فرمانبردار ہیں کچھ بے انصاف"۔

اس سے آگے فرمایا بے شک وہ شیطان اور اس کی ذریات تم کو ادھر دیکھتے رہتے ہیں جدھر سے تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔

مزید فرمایا "اور ابلیس جنات میں سے تھا پس نافرمانی کی اس نے اپنے رب کی"۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان بھی جن ہی کی نسل میں سے ہے ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے خود ہی یہ اقرار کیا کہ اس کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے جبکہ آدم کو تو نے مٹی سے پیدا کیا آگ کی صفت یہ ہے کہ اس کے شعلے اوپر کو اٹھتے ہیں مٹی کی صفت یہ ہے کہ پستی کی طرف جاتی ہے لہٰذا میں آدم کو سجدہ کیوں کروں۔

بہر حال حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن مجید اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ اطلاع دی ہے کہ ملائکہ اور جن اگرچہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں لیکن بلاشبہ وہ مستقل مخلوق ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ مشاہدہ میں تو غلطی کا امکان بھی ہے اور بار بار ہوتا رہتا بھی ہے لیکن وحی الٰہی اور نبی معصوم کی اطلاع میں غلطی کی مطلق گنجائش نہیں لہٰذا ہمارا ایمان ہے کہ وہ خدا کی مستقل مخلوق ہیں اور اس کے علاوہ عقلی اور اعتبار سے بھی ان کا مستقل مخلوق ہونا ناممکن نہیں بلکہ امکان عقلی کے دائرے میں ہے۔

پس جو چیز عقل کے نزدیک ناممکن نہ ہو اور نقل یعنی وحی الٰہی اس کا یقین دلاتی ہو تو اس کا انکار علم اور حقیقت کا انکار ہے تنگ نظری اور ہٹ دھرمی کی زندہ مثال۔

رہا یہ امر کہ وہ ہمارے مشاہدات اور محسوسات سے باہر ہیں اور ہم ان کو نہیں دیکھتے تو یہ بھی انکار کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی اس لیے کہ آج کی دوربینوں اور سائنس کے آلات سے بھی پہلے ہزاروں برس تک ہم کو وہ بہت سے اشیاء محسوس نہیں ہوتی تھیں اور نہ آنکھیں ان کو دیکھ سکتی تھیں جن کا وجود اس وقت بھی موجود تھا مگر آج وہ نظر بھی آتی ہیں اور محسوس بھی ہوتی ہیں تو کیا ہزاروں سال پہلے جن لوگوں نے ان کے وجود کا انکار کیا وہ حقیقی علم پر مبنی تھا یا کوتاہی علم اور ذرائع معلومات اور تحقیقات سے ناواقفیت کا نتیجہ تھا۔

اس طرح ہم آج بھی بجلی، مقناطیس اور روشنی کی صحیح حقیقت سے ناآشنا ہیں ان کو صرف ان کے آثار اور علامات سے ہی پہچانتے ہیں۔

اس طرح مادہ پرست اور ملاحدہ کا انکار کسی علم و یقین پر مبنی نہیں بلکہ محسوسات اور مشاہدات میں نہ ہونے کی بنا پر عدم علم کی وجہ سے جو کسی طرح عدم وجود کی دلیل نہیں بن سکتا نیز علم دو ہی طرح حاصل ہوسکتا ہے ایک علوم فنون کے ذریعے جو کسب و اختساب کا محتاج ہے۔ دوسرے عطیہ الٰہی کی راہ سے اس کا سب سے بلند درجہ وحی الٰہی ہے پس اگر کوئی شے علوم فنون کی راہ سے ہم کو نا معلوم ہوسکے مگر عقل اس کے وجود کو ناممکن نہ سمجھتی ہو اور وحی الٰہی اس کے وجود کا اعلان کرتی ہو تو ہر ذی ہوش اور ذی عقل کا فرض ہے کہ وہ علوم و فنون کی درماندگی کے اعتراف کے ساتھ اس کو تسلیم کرے البتہ اگر اس اطلاع کے وحی الٰہی ہونے میں انکار ہو یا سرتاسر وحی الٰہی ہی کا منکر ہو تو اب اس کے لئے اس اطلاع پر ایمان لانے سے قبل ان دلائل کا مطالعہ ضروری ہے جو اس سلسلے میں قرآن عزیز نے بیان کیے ہیں اور جن میں بتایا گیا ہے کہ وہ بلاشبہ کلام اللہ وحی الٰہی ہے۔

بہر حال قابیل کے ہاتھوں اپنے بھائی ہابیل کا قتل دمشق کے ایک کوہستانی سلسلے قاسیون کے پاس ہوا یہ کوہستانی سلسلہ شمال کی جانب سے دمشق پر سایہ فگن ہے اس میں بہت سے غار ہیں جن میں سے بعض کے اندر انبیاء کی یادگاریں اور بعض میں بزرگان صالحین کی قبریں ہیں آج کل قاسیون دمشق کا ایک بڑا محلہ ہوگیا ہے جس کی آبادی پہاڑ کے دامن تک پھیلی ہوئی ہے اس میں بہت سے مقابر اور مدارس نظر آتے ہیں نواح میں دو مسجدیں ہیں جہاں جمعہ ہوتا ہے نیز ایک ہسپتال ہے ایک منڈی سب سے اول جو لوگ یہاں آکر بسے وہ بیت المقدس کے باشندے تھے کہ صلاح الدین ایوبی کے زمانے سے پہلے فرنگیوں نے اس شہر پر قبضہ کرلیا یہ وہاں سے جان بچا کر بھاگے اور یہاں آکر رہنے لگے پھر اور لوگوں نے ان کی تقلید کی اس جبل قاسیون میں مغارہ دم نامی غار ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کا خون یہاں کیا ایک نشان خون سا بنا ہوا ہے جسے لوگ ہابیل کا خون بتاتے ہیں جو خشک ہے لیکن اس کا دھبہ آج تک موجود ہے ایک پتھر بھی ہے جسے کسی آدمی نے اٹھا کر پھینکا ہو لوگوں کا بیان ہے کہ قابیل نے وہی پتھر مار کر اپنے بھائی ہابیل کا سر پھاڑا تھا۔

جبل قاسیون جہاں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا اس کے متعلق مورخین مزید یہ لکھتے ہیں کہ یہ دمشق کے متبرک مقامات میں شمار کیا جاتا ہے اسی جگہ بقول مورخین مولود ابراہیم علیہ السلام بھی ہے اسے جبل قاسیون کے پہلو کے گاؤں برہ میں بتاتے ہیں جو بہت عمدہ اور پرانا موضع ہے اور خود یہ پہاڑ ہمیشہ سے متبرک رہا ہے کہتے ہیں جتنے پیغمبر یہاں ہوئے سب نے اس پہاڑ پر چڑھ کر دعا مانگی یہ پہاڑ دمشق شہر کے شمال میں تقریباً ایک فرسنگ کے فاصلے پر تھا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہاں ایک تنگ وطویل غار ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہی مولد ابراہیم ہے اور اس پر لوگوں نے ایک مسجد اور بلند مینار تعمیر کردیا ہے حضرت ابراہیم اس غار میں سے ستارے اور چاند اور سورج دیکھا کرتے تھے۔

مورخین مزید لکھتے ہیں کہ جبل قاسیون میں اور اسی مولد ابراہیم کے مغرب کی طرف کوئی ایک میل کے فاصلے پر ایک غار ہے جسے کہف الدم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے اوپر پہاڑ میں ہابیل کا خون نظر آتا ہے جسے اس کے بھائی قابیل نے قتل کیا تھا۔

مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ خون کا یہ نشان آدھے پہاڑ تک ایک سرخ لکیر کی شکل میں چلا آتا ہے اور پہاڑ کے دامن میں ایک پگڈنڈی کی شکل دکھائی دیتا ہے یہاں بھی ایک مسجد ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں قابیل بھائی کی تلاش میں اسے قتل کرنے کے لئے چلا اور بعد اس کی لاش اس غار میں اٹھا کر لایا۔

کہا جاتا ہے کہ یہاں ابراہیم علیہ السلام نے نماز ادا کی اس مقام کے اوپر ایک نفیس مسجد تعمیر کردی گئی ہے جس پر سیڑھیوں سے چڑھ کر پہنچتے ہیں یہ غلام گردش کی مانند ہے اور اس کے گرد پردہ سا لگا دیا گیا ہے آنے والوں کے ٹھہرانے کے لئے اندر حجرے ہیں اسے اور نیز غار کو ہر جمعرات کے دن روشن کرتے ہیں اور کھولتے ہیں پہاڑ کی چوٹی پر ایک اور غار حضرت آدم سے منسوب ہے اور یہاں بھی ایک عمارت بنادی گئی ہے ایک اور غار پہاڑ کے نیچے کہف الفاو کہلاتا ہے۔

اسی پہاڑ کی چوٹی پر شہر کے مغرب میں تمام باغوں سے اوپر وہ پہاڑ یعنی ربوہ ہے جس کی نسبت قرآن مقدس میں آیا ہے کہ مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ رہتی تھیں اور یہ بہت ہی دلکش مقام ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور مقام بھی ملتا ہے جس پر آپ سیڑھیاں چڑھ کر جاسکتے ہیں وہاں حضرت مریم کے رہنے کی جگہ ایک چھوٹا سا غار حجرے کی مانند ہے اسی کے سامنے حضرت خضر کی نماز کا مقام بتاتے ہیں یہاں چھوٹے چھوٹے آہنی کواڑ لگا دیئے گئے ہیں مسجد اور نہایت خوشنما حوض بنا ہوا ہے جس کا پانی نیچے گرتا ہے مسجد کی دیوار میں پن چکی لگی ہوئی ہے اور پانی اس میں بہہ کر نیچے سنگ مرمر کے ایک خوبصورت طاق میں آتا ہے عقب میں طہارت خانے بنے ہوئے ہیں جن میں بہتا ہوا پانی موجود ہے یہ پہاڑی ان باغوں کے اوپر واقع ہے جس کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے اور اس کا پانی شاخ در شاخ ہو کر انہیں باغوں سے گزرتا ہے پانی کی سات شاخوں میں سب سے بڑی سورا کہلاتی ہے یہ جبل قاسیون کے بالائی حصے سے چلتی ہے سخت چٹان کو کاٹ کر سرنگ کی شکل اپنی گزرگاہ بناتی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ پہاڑ جہاں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا وہاں خلفائے بنی امیہ کی قبور ہیں جو شہر کے دروازے باب الصغیر کے سامنے بتائی جاتی ہیں ان کے اوپر ایک عمارت بنی ہوئی ہے جس میں مسافر اور سیاح آکر اترتے ہیں بہرحال حضرت آدم کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو اسی جبل قاسیون میں قتل کیا جو اب دمشق شہر میں موجود ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دمشق کے شمال میں جبل قاسیون پر ایک زیارت گاہ بنی ہوئی ہے جو مقتل ہابیل کے نام سے مشہور ہے اور اس کے متعلق ابن عساکر نے احمد بن کثیر کے تذکرہ میں ان کا ایک خواب نقل کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ کے ساتھ ہابیل بھی تھے ہابیل نے بافتم کہا کہ میرا مقتل یہی ہے اور آپ نے ان کے قول کی تصدیق فرمائی بہرحال یہ خواب ہی کی باتیں ہیں اور خواب کے سچے ہونے کے باوجود اس سے کوئی شرعی یا تاریخی حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔

بہرحال مذکورہ بالا حدیث یہ حقیقت ہم پر ضرور آشکار کرتی ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں ہرگز کسی گناہ کی ایجاد نہ کرنی چاہیے تاکہ وہ کل کو بدکاروں اور ظالموں کے لئے ایک نئے حربے کا کام نہ دے ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ کائنات میں جو شخص بھی آئندہ اس بدعت کا اقدام کرے گا تو بانی بدعت بھی برابر اس گناہ کا حصہ دار بنتا رہے گا اور موجد ہونے کی وجہ سے ابدی ذلت اور ان کا مستحق ٹھہرے گا گناہ بہرحال گناہ ہے لیکن گناہ کی ایجاد موجد کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کا وبال سر باندھ دیتی ہے۔

ہابیل خدا تعالیٰ کا مقبول بندہ تھا اور قابیل بارگاہ الٰہی کا نافرمان شخص تھا اس لئے ضرورت تھی کہ ہابیل کے پاک جسم کی توہین نہ ہو اور نسل آدم کی کرامت اور بزرگی قائم رکھنے کے لئے مرنے کے بعد اس کی تدفین کی سنت قائم ہوجائے اور تقاضائے انصاف تھا کہ قابیل کی اس کمینہ حرکت پر اس کو دنیا میں بھی ذلیل کیا جائے اور اس قابل بنادیا جائے کہ خود اس کو اپنی بے مائیگی عقل، دانش اور کمینگی کا احساس ہوجائے اس لئے نہ اس کو الہام بخشا گیا نہ کمینہ حرکت کو چھپانے کے لئے عقل کی روشنی عطا کی گئی بلکہ ایک ایسے پرندے کو اس کا راہنما بنایا گیا جو عیاری اور مکاری میں تاک اور تیز طبع میں ضرب المثل ہے اور آخر اس کوے کی حرکت کو دیکھ کر قابیل کو کہنا ہی پڑا

”ہائے افسوس کیا میں ایسا گیا گزرا ہوں کہ اس کوے جیسا بھی نہ بن سکا“

☆……☆……☆

حضرت آدم کے سلسلے میں اب دو طرح کے واقعات باقی رہ گئے ہیں پہلے وہ واقعات جنہیں عقل تسلیم کرتی ہے اور دوسرے وہ واقعات جنہیں عقل تسلیم نہیں کرتی ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں جنہیں عقل تسلیم کرتی ہے۔

پہلا واقعہ یوں بیان ہوتا ہے کہ بھارت اور لنکا کے درمیانی سمندر میں ریت اور پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کی تیس میل لمبی ایک قطار چلی گئی ہے روایت ہے کہ حضرت آدم جب جنت سے نکالے گئے تو وہ اسی راستے سے لنکا میں رہائش کی تھی ایک اور روایت کے مطابق جب ہندوؤں کے اوتار رام چندر اپنی اغوا شدہ بیوی سیتا دیوی کو رہا کرانے کے لئے ہندوستان سے سیلون گئے تو وہ بھی اسی راستے سے لنکا پہنچے تھے۔

یہ حصہ جہاز رانی کے قابل نہیں ہے کیونکہ کہیں بھی پانی کی گہرائی تین چار فٹ سے زیادہ نہیں۔ 1883ء میں بحری آمد و رفت کے لئے راستہ صاف کرنے کی کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی ماہرین طبقات الارض اس بارے میں تصدیق کرنے کے بجائے رائے یہ دیتے ہیں کہ دراصل پانی نے لنکا کو برصغیر ہندوستان سے کاٹ کر جدا کردیا ہے اس ریت اور پتھر کے ٹیلے کو آدم کا پل کہا جاتا ہے۔

دوسرا واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ مختلف مذہبی کتابوں میں آیا ہے کہ جنت میں حضرت آدم کو ایک خاص پھل کھانے سے منع کردیا تھا یہ ممنوع پھل گندم تھا اہل عرب میں ایک ایرانی کہانی مروج ہے کہ وہ پھل ممنوعہ گیہوں تھا جو ایسے درخت میں لگا تھا جس کا تنا سونے کا اور جس کی شاخیں چاندی کی طرح تھیں ہر شاخ میں پانچ پانچ چمکتی ہوئی بالیاں لگی تھیں اور ہر بالی میں پانچ پانچ دانے تھے جو شتر مرغ کے انڈے کے برابر تھے اور خوشبو میں مشک عنبر شیرینی میں شہد کا مزہ رکھتے تھے نصرانیوں کے نزدیک آدم اور حوا نے باغ عدن یعنی جنت میں جو پھل کھایا تھا وہ سیب سے مشابہہ تھا اس لیے انگریزی زبان میں ایک اصطلاح آدم کا سیب استعمال ہوتی ہے۔

آرچ بشپ وٹلے کا گمان ہے کہ انجیر کا درخت زندگی کے درخت سے مشابہہ ہے جس کی تصاویر بابل اور نینوا کے محلوں اور گرجاؤں میں منقش ہیں ڈاکٹر لونگ

اسٹون لکھتے ہیں کہ میں نے افریقہ میں جنگلی لوگوں کو چند متبرک درخت پوجتے دیکھا ہے وہ لکھتے ہیں یہ درخت تمام افریقہ اور ہندوستان میں متبرک سمجھا جاتا ہے۔

ڈاکٹر بلیکی اس مضمون کے متعلق لکھتا ہے کہ ربی ماہر کے مطابق یہ پھل گیہوں تھا لیکن جی ہوودہ کے خیال میں انگور تھا کیونکہ انگور سے شراب بنتی ہے جو بدمست کر دیتی ہے۔

ایک اور روایت ہے کہ جنت میں شیطان سانپ کی صورت میں یا شاید اس پر بیٹھ کر حضرت آدم کے پاس آیا تھا اور انہیں ممنوع پھل کھانے پر اکسایا تھا ایسی روایات عموماً بائبل اور دوسری مذہبی کتابوں میں ملتی ہیں قرآن مجید میں اس کے متعلق خفیف سا اشارہ بھی نہیں ملتا صرف اتنا درج ہے کہ شیطان نے حضرت آدم کو ممنوع پھل کھانے پر اکسایا قصص قرآن میں آیا ہے کہ شیطان کسی نہ کسی صورت میں داخل ہو گیا لیکن دیگر کتابوں میں شیطان کی جنت میں داخل ہونے کی صورت کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

ایرانی روایات میں ہے کہ اہرمن یعنی شیطان نے پہلے آدمی اور پہلی عورت کے آرام اور راحت سے جل کر باغ میں ایک اور درخت لگایا اور ایک بری روح جیجی حسین سانپ کی شکل اختیار کر کے انہیں بہکایا کہ اس نے پھل کو کھائیں اس پھل نے ان کو بگاڑ دیا۔

ایک اور روایت کے مطابق یہ سانپ یا اژدہا سمندر اور ابتری کا بانی تھا اور وہ اس ابتری اور بے ترتیبی کی روح ہے جو دنیا کی پیدائش کے وقت دیوتاؤں کی مخالف تھی اسی کی شکل اژدہے کی مانند ہے سر گوشت خور جانور کی مانند ہے جسم پر مچھلی کی طرح چھلکے ہیں پنجے عقاب کی مانند ہیں اور پشت پر دار ہے مغربی اور مشرقی کہانیوں میں بھی اس بڑے سانپ کا ذکر کسی نہ کسی طور پر پایا جاتا ہے لیکن اسلام میں اس بات کا چنداں ذکر نہیں کہ سانپ شیطان کی صورت میں جنت میں داخل ہوا تھا۔

ایک اور واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ جنوبی اور وسطی لنکا میں واقع کولمبو سے پینتالیس میل جنوب مشرق کی طرف ایک پہاڑی ہے جس کی بلندی سات ہزار تین سو ساٹھ فٹ ہے اس کی چوٹی پر ایک ہموار سطح ہے جس پر پانچ فٹ چار انچ لمبا اور دو فٹ چھ انچ چوڑا پاؤں کا نشان ہے مسلمان اسے حضرت آدم کا نقش پا خیال کرتے ہیں بلکہ مسلمان یہ بھی کہتے ہیں کہ جب حضرت آدم کو کرۂ ارض پر گرایا گیا تھا تو وہ اسی مقام پر گرے تھے۔

ایک اور واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت آدم کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تو خدا نے حضرت آدم سے وعدہ کیا کہ وہ انہیں اس جیسا ایک اور بیٹا عطا کریں گے چنانچہ جب حضرت حوا امید سے ہوئیں تو شیطان جس کا نام عزازیل ہے وہ بھیس بدل کر ایک بزرگ کی صورت میں حضرت حوا کے پاس گیا اور کہنے لگا

"خاتون تیرے شکم میں کیا ہے۔" حضرت حوا نے جواب دیا۔ "میں نہیں جانتی۔" حضرت حوا کو ڈرانے دھمکانے اور خوفزدہ کرنے کے لئے شیطان کہنے لگا۔ "عجیب نہیں یہ جانوروں میں سے کوئی ہو۔"

حضرت حوا نے پھر جواب دیا۔ "میں نہیں جانتی۔"

چنانچہ اتنا کہنے کے بعد شیطان یعنی عزازیل منہ پھیر کر چلا گیا جب حضرت حوا کو اپنے پیٹ میں گرانی محسوس ہوئی تو پھر آیا۔ "اور دریافت کیا تو اپنے آپ کو کیسا محسوس کرتی ہے؟"

حضرت حوا نے جواب دیا۔ "میں ڈرتی ہوں کہ کہیں وہی نہ ہو جس کا تو نے مجھے خوف دلایا تھا میں اٹھنا چاہتی ہوں تو اٹھ نہیں سکتی؟"

اس پر شیطان یعنی عزازیل خوش ہوا کہنے لگا۔

"تیری کیا رائے ہے میں اگر خدا سے دعا کروں تو وہ اس جنین کو تجھ سا اور آدم جیسا انسان بنا دے تو کیا تو میرے نام پر اس کا نام رکھے گی؟"

حضرت حوا کو کیونکہ شیطان نے خوفزدہ اور ڈرا رکھا تھا لہٰذا کہنے لگیں۔ "ہاں۔"

شیطان تو یہ سن کر چلا گیا مگر اب حضرت حوا نے حضرت آدم کو یہ اطلاع دی کہ ایک شخص نے آ کر مجھے یہ خبر دی ہے کہ تیرے شکم کا جنین انہیں چارپایوں میں سے کوئی چارپایہ ہے میں بھی اس کی گرانی محسوس کر رہی ہوں اور ڈرتی ہوں کہ جو کچھ اس نے کہا ہے کہیں وہی نہ ہو جائے۔

اب آدم اور حوا کو بجز اس کے اندیشہ نہ تھا اس فکر میں مبتلا رہتے تھے تا آنکہ لڑکا پیدا ہوا اللہ تعالیٰ نے اسی لڑکے کے متعلق فرمایا۔

دونوں نے خدا سے کہ ان کا پروردگار ہے دعا کی کہ اگر ہمیں فرزند صالح عنایت کرے تو ہم اس کا شکر گزار ہوں گے۔

یہ دعا آدم اور حوا نے لڑکا پیدا ہونے سے پہلے کی تھی جب لڑکا اچھا خاصا چنگا پیدا ہو گیا تو شیطان بھیس بدل کر پھر حضرت حوا کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

وعدہ کے مطابق تو نے اس بچے کا نام کیوں نہ رکھا۔

حوا نے پوچھا۔ "تیرا کیا نام ہے؟"

شیطان کا اصل نام تو عزازیل ہے مگر یہ نام لیتا تو وہ پہچان جاتیں اس لیے کہا۔ "میرا نام حارث ہے۔"

چنانچہ حوا اس کے دھوکے اور فریب میں آ گئیں اور اپنے اس بچے کا نام انہوں نے عبدالحارث رکھ دیا مگر وہ بچہ مر گیا اور اسی بچے کے مرنے سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"جب اللہ نے ان دونوں کو فرزند صالح عطا فرمایا تو اللہ کی اس دین میں انہوں نے دوسروں کو اللہ کا شریک بنایا یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں اللہ اس سے برتر ہے"۔

خدا نے حضرت آدم پر وحی نازل کی کہ میرے اور اس کے بالکل مقابل روئے زمین پر ایک حرم ہے جا وہاں میرے لئے تو ایک گھر بنا کہ اس میں عبادت کر جس طرح تو دیکھ چکا کہ میرے فرشتے عرش سے لگے رہتے ہیں تیری اور تیری اولاد میں سے جو فرماں بردار ہوں گے میں ان سے کی دعائیں قبول کروں گا۔

خدا کے اس حکم کے جواب میں حضرت آدم نے عرض کیا۔

"یا رب یہ مجھ سے کیونکر ہو گا میں اس پر کہاں قادر ہوں اس کا پتا کیسے لگا سکتا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک فرشتہ متعین کر دیا جس کے ساتھ وہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے دوران سفر جب حضرت آدم کسی باغ یا کسی جگہ سے گزرتے تو فرشتے سے کہتے کہ یہاں ٹھہر جاؤ وہ کہتا منزل مقصود کو پہنچنا ہے۔

اس طرح چلتے چلتے مکہ پہنچے راستے میں جن جن مقامات پر ٹھہرے وہ آباد ہوئے اور جہاں جہاں سے گزر گئے وہ غیر آباد صحرا دشت و بیابان رہے۔

مکہ پہنچ کر آدم علیہ السلام نے پانچ پہاڑیوں کے مسالے سے خانہ کعبہ تعمیر کی ان پانچ پہاڑوں کے نام طور یعنی سینا، جبل زیتون، جبل لبنان، جبل یودی اور جبل حرا ہیں انہیں کوہستانی سلسلوں کی مٹی سے کعبہ کی بنیادیں ہیں۔ جب تعمیر سے فارغ ہو لیے تو فرشتہ انہیں کوہ عرفات پر لے گیا اور وہاں تمام مناسک دکھائے جن پر لوگ آج بھی عمل کرتے ہیں اور اس سے بھی فراغت ہو گئی تو فرشتہ انہیں ساتھ لے کر مکہ آیا جہاں وہ ایک ہفتہ تک بیت اللہ کا طواف کرتے رہے۔

حضرت آدم اس وقت تک زندہ رہے جب تک ان کی اولاد کی اولاد کوہ نور پر چالیس ہزار تک پہنچ گئی حضرت آدم نے دیکھا کہ ان میں زنا کاری، شراب خوری اور فتنہ فساد پھیل گیا ہے چنانچہ وصیت کی کہ اولاد شیث کی مناکحت اولاد قابیل کے سلسلے میں نہ ہونے پائے۔

چنانچہ جب حضرت آدم فوت ہو گئے تو اولاد شیث نے حضرت آدم کو ایک غار میں دفن کر دیا اور ایک پاسبان مقرر کر دیا کہ اولاد قابیل میں سے کوئی بھی اس کے نزدیک نہ آنے پائے وہاں جو آتے تھے فرزندان شیث ہی آتے تھے اور وہی آدم کے لئے استغفار کرتے تھے حضرت آدم کی عمر نو سو چھتیس برس کی تھی۔

چنانچہ حضرت آدم کے بعد ایک سو فرزندانِ مشیث یعنی حضرت شیث کے قبیلے سے سو نوجوان اپنے چچا قابیل کی اولاد اور ان کے خاندان کی طرف گئے کہ دیکھیں وہ کیا کرتے ہیں اس لیے کہ ایک کوہستانی سلسلے کے ایک طرف حضرت آدم کے بیٹے مشیث اپنے خاندان کے ساتھ رہتے تھے اور اسی کوہستانی سلسلے کی دوسری طرف اپنے بھائی ہابیل کا قاتل اپنے خاندان کے ساتھ رہتا تھا۔

چنانچہ شیث کے قبیلے کے سو آدمی جب کوہستانی سلسلے کو پار کر کے اولاد قابیل کے ہاں گئے تو وہاں قابیل کے قبیلے کی عورتوں سے ان کا پالا پڑا جو بد شکل تھیں عورتوں نے ان سب کو روک لیا آخر خدا نے جب تک چاہا وہیں رہے جب ایک مدت گزر گئی تو بنو شیث میں سے سو مزید آدمیوں نے مشورہ کیا کہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے بھائیوں نے کیا کیا وہ لوٹ کر نہیں آئے وہ بھی پہاڑ سے نیچے اتر گئے انہیں بھی قابیل کے قبیلے کی عورتوں نے روک لیا یہ واقعہ پیش آیا تو فرزندانِ شیث پہاڑ سے نیچے اترے جن کے باعث ان میں قابیل کے قبیلے کی وجہ سے معصیت اور بدل پھیل باہمی مناکحت ہونے لگی حالانکہ حضرت آدم نے ایسا کرنے سے منع کیا تھا چنانچہ دونوں قبیلوں کے اختلاط سے گمراہی پھیلی اور بنو قابیل اتنے بڑھے کہ زمین بھر گئی یہی وہ لوگ تھے جو حضرت نوح کے زمانے میں غرق کر دیے گئے تھے۔

☆......☆......☆

حضرت آدم کے سلسلے میں اب ان واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے جنہیں عقل قبول اور تسلیم نہیں کرتی اور انہیں پڑھتے وقت موجودہ دور کے انسان کے ذہن پر کم از کم گرانی ضرور محسوس ہوتی ہے۔

کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا جس سے وہ تمام لوگ جنہیں قیامت تک پیدا کیا جانا تھا نکلے ان میں سے جو انسان تھے ہر ایک کو دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی چمک پیدا کر دی پھر ان کو آدم کے سامنے پیش کیا۔

اس موقع پر حضرت آدم نے خدا سے عرض کی۔

"اے اللہ یہ کون لوگ ہیں؟"

جواب ملا۔ "یہ تیری اولاد و ذریات ہیں۔"

ان میں سے ایک شخص کی دونوں آنکھوں کے درمیان جو نور تھا آدم کو بڑا اچھا معلوم ہوا، پوچھا۔

"یا رب یہ کون ہے؟"

پھر جواب ملا۔ "یہ بھی تیری اولاد ہے آخر میں جو قومیں ہوں گی انہیں میں سے یہ ہوگا اور اس کو داؤد کہیں گے۔"

آدم نے پھر پوچھا "یا رب اس کی عمر کتنی ہے۔"

خدا کی طرف سے آواز آئی۔ "ساٹھ برس"

آدم نے کہا۔ "اے خدا میری عمر میں سے چالیس برس اس کو دے کر اس کی عمر بڑھا دی جائے۔"

خدا کی طرف سے جواب ملا۔ "اس صورت میں یہ بات لکھ دی جائے گی مہر ہو جائے گی اور پھر اس میں تغیر نہ ہوگا۔"

جب آدم کی عمر پوری ہو گئی تو فرشتہ موت روح قبض کرنے آیا تو آدم نے تعجب کیا۔

"ابھی تو میری زندگی میں چالیس برس باقی ہیں۔"

موت کے فرشتے نے کہا۔

"کیا یہ عمر آپ نے آپ کی نسل میں آنے والے شخص داؤد کو نہ دے دی تھی۔"

کہتے ہیں اس موقع پر حضرت آدم نے انکار کیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار کیا آدم بھولے تو ان کی اولاد بھولی آدم نے غلطی کی تو ان کی اولاد سے بھی غلطی ہوئی۔

دوسرا واقعہ کچھ اس طرح ہے جو ابن عباس سے روایت کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے۔

جب قرض کی آیت نازل ہوئی تو حضورؐ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ پہلے پہل آدم ہی مکرے تھے اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیر کر نسل آدم ظاہر فرمائی اور آدم پر ان سب کو پیش کیا انہیں میں آدم کو ایک روشن آدمی نظر آیا پوچھا۔

"یا رب میری اولاد میں یہ کون ہے۔" فرمایا۔

"یہ تیرا بیٹا داؤد ہے۔" پھر پوچھا اس کی عمر کتنی ہے۔ فرمایا۔ "ساٹھ برس۔" عرض کیا۔ "یا رب اس کی عمر زیادہ کر دے۔" فرمایا۔ "نہیں البتہ تو چاہے تو اپنی عمر میں سے دے کر اس کی زندگی بڑھا سکتا ہے۔" حضرت آدم کی زندگی ایک ہزار سال مقرر تھی۔ عرض کیا۔ "یا رب میری مدتِ حیات میں سے لے کر اس کی زندگی بڑھا دی جائے۔" اللہ تعالیٰ نے داؤد کی عمر چالیس سال بڑھا دی۔ جس پر فرشتے گواہ ہوئے جب آدم کا آخری وقت آیا نزع روح کے لئے فرشتے پہنچے تو آدم نے کہا۔ "ابھی تو میری زندگی کے چالیس برس باقی ہیں۔" فرشتوں نے بتایا۔ "یہ مدت آپ نے اپنے فرزند داؤد کو دے دی تھی۔" آدم نے جناب الٰہی میں عرض کیا۔

"یا رب میں نے تو ایسا نہیں کہا تھا۔"

اس مکرنے پر خدا نے وہ وثیقہ آدم کے پاس بھیج کر حجت قائم کی مگر خود ہی پھر آدم کے ہزار برس پورے کر دیے اور داؤد کو بھی پورے سو برس دیے۔

اس واقعے کے پہلے حصے کی روایت حضرت ابو ہریرہ سے بیان کی جاتی ہے اور دوسرے کی روایت حضرت ابن عباس سے کی جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس سے یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ایک اونچے پشت پر پیدا کیا ان کی پشت چھوئی تو وہ تمام متنفس نکال لیے جنہیں قیامت تک پیدا کرتا رہے گا سب سے خطاب کیا۔ "آیا میں تمہارا پروردگار نہیں۔" سب نے عرض کیا۔ "بے شبہ تو ہمارا پروردگار ہے۔"

ابن سعد سلمان فارسی سے روایت کرتے ہیں کہ پہلے پہل حضرت آدم کا سر پیدا ہوا پھر جسم پیدا ہونے لگا جسے پیدا ہوئے حضرت آدم نور دیکھ رہے تھے عصر کے وقت تک دونوں پاؤں باقی رہے تھے یہ دیکھ کر حضرت آدم نے کہا۔ "اے رات کے پروردگار جلدی کر کیونکہ رات آئی جاتی ہے۔" اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "انسان جلد باز پیدا ہوا ہے۔"

عبدالرحمان بن قتادہ سے روایت کی جاتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کر کے مخلوق کو ان کی پشت سے نکالا پھر کہا۔

"یہ بہشت میں جائیں گے اور مجھے کچھ پروا نہیں یہ دوزخ میں جائیں گے مجھے کچھ پروا نہیں حاضرین میں سے" ایک شخص نے حضور کو مخاطب کر کے پوچھا

"یا رسول اللہ اگر یہ بات ہے تو پھر ہم عمل کس بناء پر کریں۔" فرمایا۔ "مواقع تقدیر کی بناء پر کرو۔"

ابن سعد ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں پہلے پہل آدم کی آنکھ اور ناک کے نتھنوں میں جان پڑی جب سارے جسم میں روح پھیل گئی تو حضرت آدم کو چھینک آئی اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد کرنے کی تلقین کی تو آدم نے خدا کی حمد کی جواب میں خدا نے کہا۔

"تجھ پر تیرے رب کی رحمت ہو" پھر فرمایا یہ لوگ یعنی ارواح جو سامنے ہیں ان کے پاس جا کر کہہ السلام علیکم دیکھ تو کیا جواب دیتے ہیں۔

آدم سلام کر کے جناب باری میں واپس آئے تو باوصف اس کے خدا خوب واقف تھا مگر اس نے پوچھا۔ "انہوں نے تجھے کیا جواب دیا۔" آدم نے عرض کیا۔ "انہوں نے مجھے یہ جواب دیا وعلیکم السلام۔" اللہ نے ارشاد فرمایا۔ "یہ تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہے۔"

ابن سعد حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ان کا سر آسمان سے چھو رہا تھا آخر اللہ تعالیٰ نے بلا استقلال ان کو زمین پر ثبات عنایت فرمایا تاکہ ان کا قد گھٹ کر ساٹھ ہاتھ رہ گیا اور عرض میں سات ہاتھ۔

ابن سعد ہی ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ آدم اتنے بلند و بالا انسان تھے گویا ایک طویل درخت خرما ہو سر میں بال بہت تھے جب خطا کی تو وہ چیز

دکھائی دی جو چھپانے کے قابل تھی پہلے یہ آدم کو نظر نہ آئی تھی یہ واقعہ بہشت کا ہے جہاں اسے دیکھتے ہی بھاگ چلے تھے کہ ایک درخت نے الجھا لیا آدم نے کہا۔ "مجھے چھوڑ دے۔" درخت نے جواب دیا۔ "تو چھوڑنے کا نہیں۔" پروردگار نے ندا دی۔ "آدم کیا تو مجھ سے بھاگتا ہے۔" عرض کی۔ "یا رب تجھ سے مجھے شرم آتی ہے۔"

ابی بن کعب ہی سے روایت کی جاتی ہے کہ جب حضرت آدم کے انتقال کا وقت آیا تو اپنے لڑکوں سے کہا۔ "میرے لیے بہشتی میوہ تلاش کرو میرا جی چاہتا ہے کہ اسے کھاؤں۔ چنانچہ لڑکے اسی حالتِ بیماری میں بہشتی میوہ تلاش کرنے نکلے۔ ناگاہ فرشتگان جناب الٰہی سے آمنا سامنا ہوا جنہوں نے دریافت کیا۔ "اے فرزندانِ آدم کس جستجو میں ہو۔" جواب دیا۔ "بہشتی میوے کو والد کا جی چاہتا ہے ہم اس کی تلاش میں ہیں۔" فرشتوں نے کہا۔ "واپس جاؤ کہ جو ہونا تھا ہو گیا۔" یہاں پہنچے تو آدم کی جان نکل چکی تھی فرشتوں نے لے کر انہیں غسل دیا، خوشبو لگائی، کفن پہنایا، قبر کھودی، لحد بنائی۔ ایک فرشتے نے بڑھ کر امامت کی نمازِ جنازہ پڑھائی باقی فرشتے مقتدی بنے بنی آدم کی صف ان سب کے پیچھے تھی قبر میں لاش دفن کر دی مٹی برابر کی اور کہا۔

"اے فرزندانِ آدم یہی تمہاری راہ ہے اور یہی تمہارا طریقہ ہے۔"

ابن سعد لکھتے ہیں کہ جب آدم کا ہبوط نزول ہوا تو وہ اتنے دراز قامت تھے کہ ان کا سر آسمان کو لگتا تھا یہی باعث ہے کہ ان کی پیشانی کے بال گر گئے اور یہ مرض ان کی اولاد میں بطور وراثت منتقل ہوا روئے زمین کے چار پائے ان کی درازقامتی سے بھاگ گئے اور اسی دن سے انسانوں سے وحشت کرنے لگے آدم اس پہاڑ پر کھڑے کھڑے فرشتوں کی آوازیں سنا کرتے تھے اور بہشت کی ہوا کھایا کرتے تھے آخر ان کا قد گھٹ کر ساٹھ گز رہ گیا اور تا دم مرگ اتنا ہی رہا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آدم جیسا حسین اور خوش رو ان کی اولاد میں یوسف کے علاوہ اور کوئی نہ ہوا۔

ابن سعد لکھتے ہیں کہ جب حضرت آدم کو جنت سے نکال دیا گیا زمین پر بھیج دیا گیا تب حضرت آدم نے عرض کی۔

"یا رب میں تیرے جوار میں تھا، تیرے دیار میں تھا، بجز تیرے نہ کوئی دوسرا میرا پروردگار تھا نہ رقیب ونگران تھا میں بہشت میں مزے سے کھاتا پیتا تھا اور جہاں جی چاہتا تھا رہتا تھا آخر تو نے اس مقدس پہاڑ پر مجھے اتارا تو یہاں بھی میں فرشتوں کی آوازیں سنتا تھا فرشتے جو عرش کے اردگرد جو کھڑے ہوئے ہیں ان کی کیفیت دیکھتا تھا مجھے بہشت کی ہوا لگتی تھی اور میں اس کی خوشبو سونگھتا تھا۔ بعد میں تو نے مجھے پہاڑ سے زمین پر اتار دیا اور میرے قد و قامت کو گھٹا کر ساٹھ ہاتھ کر دیا اب وہ آوازیں بھی مجھ سے منقطع ہو گئی ہیں وہ نظر کش گزر بھی نہ رہی وہ منظر بھی رخصت ہو گئے وہ ہوائے بہشت بھی جاتی رہی۔"

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ "آدم میں نے تیرے ساتھ جو کچھ کیا وہ تیری معصیت اور نافرمانی کے باعث ہوا۔"

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے ساتھ بہشت سے بھیڑ بکریوں کے آٹھ جوڑے بھی زمین پر اتارے جب آدم اور ہوا کی برہنگی دیکھی تو ان میں سے ایک کو ذبح کرنے کا حکم دیا آدم نے اس کو ذبح کر کے اون لی حوا نے اسے کاتا اور دونوں نے مل کر اسے بننے لگے اپنے لیے تو آدم نے ایک جبہ تیار کیا اور حوا کے لئے ایک کرتہ، ایک اوڑھنی یہی کپڑے تھے جو دونوں نے پہنے، آدم اور حوا کا اجتماع یوم جمع میں ہوا تھا اور یہ ایام حج کا وہ خاص دن ہے جس دن کے مزدلفہ میں اجتماع ہوتا ہے اس لئے اس دن کا نام پڑا اور عرفات میں دونوں میں تعارف ہوا تھا یہی سبب ہے کہ یہ پہاڑی عرفات کے نام سے موسوم ہوئی۔

☆☆☆